رکن کونسل آف جرائد اہلسنت

ماہنامہ
پاکستان

مجلہ الحقیقہ

اتحادِ ملت کی ضرورت وصورت
پروفیسر محمد حسین آسی

توحید اور محبوبانِ خدا کے کمالات
پروفیسر محمد حسین آسی

اداریہ

ربیع الاول شریف بھی بیت گیا

نورانیت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم

خاور تصوف کا رخشندہ آفتاب



جون 2003ء

حضرت سیدنا غوث الاعظم کا ایک واعظ

حمد و نعت

ذات و صفت میں حضور(۱)، مظہر ربِ کریم(۲)
وہ بھی خبیر و علیم یہ بھی خبیر و علیم
خالقِ عالم وہی ، باعثِ عالم یہی
میرا خدا لاشریک ، میرا نبی بے سہیم
اس کی عطا لازوال ، ان کی سخا بے مثال
وہ بھی رؤف و رحیم ، یہ بھی رؤف و رحیم
مالک روزِ جزا جس کی حکومت محیط
شافع روزِ جزا جس کی شفاعت عمیم
چاند کے خالق کا ہے نائبِ اعظم وہی
جس کا اشارہ کرے چاند کا سینہ دو نیم
دونوں کی ہے کیا ہی بات ، دونوں کی ہے ایک بات
تیسرا سمجھے تو کیا سر الف لام میم
آسی ابلنے لگا ، راز اگلنے لگا
جب سے ہوا اس کا شیخ(۳) خانہ دل میں مقیم

پروفیسر محمد حسین آسی

۱......صلی اللہ علیہ وسلم ۲......جل وعلا ۳......علیہ الرحمۃ

یا ایها النبی جاھد الکفار والمنافقین واغلظ علیھم

اے نبی! جہاد کرو کافروں اور منافقوں سے اور ان پر سختی کرو (التوبہ ۷۳)

ماھنامہ
مجلۃ الحقیقہ
(پاکستان)

ربیع الثانی ۱۴۲۴ھ جون 2003ء جلد نمبر 3 شمارہ نمبر 8

زیر سرپرستی
مفکر اسلام حضرت علامہ مولانا پروفیسر محمد حسین آسی نقشبندی قادری

فہرست

زرِ تعاون

پاکستان (فی پرچہ) 10 روپے سالانہ بذریعہ ڈاک -/124 روپے

	فی پرچہ	سالانہ چندہ
یورپ	1 پونڈ	10 پونڈ
یو ایس اے	1.5 ڈالر	15 ڈالر
عرب ممالک	3 ریال	30 ریال

رابطہ: صوفی محمد آصف نقشبندی انچارج دفتر الحقیقہ نقش لاثانی نگر شکر گڑھ

پبلشرز: پروفیسر محمد حسین آسی نے احمد دین پرنٹرز داتا مارکیٹ لاہور سے چھپوا کر مرکزی دفتر مجلۃ الحقیقہ نقش لاثانی نگر شکر گڑھ فون نمبر: 451734 (نارووال) سے شائع کیا

الا ان اولیاء اللہ لا خوف علیھم ولا ھم یحزنون

یونس-۶۳

ترجمہ: سُن لو اللہ کے ولیوں پر نہ کچھ خوف ہے اور نہ کچھ غم

کلمۃ الحقیقۃ — اداریہ

ربیع الاول شریف بھی بیت گیا

سر پرست اعلیٰ کے قلم سے

ربیع الاوّل شریف اپنی رحمتوں، رافتوں، رفعتوں اور عظمتوں کے ساتھ بہاروں کے جلو میں آیا اور ملتِ اسلامیہ کو بیداری کا پیغام دے کر رخصت ہو گیا۔ اس روحانی و نورانی لحات میں مسجدیں آباد رہیں، محافل میلاد کا انعقاد بڑی کثرت سے ہوا، درود و سلام کے نذرانے بارگاہ رسالتمآب علیہ الصلوۃ والسلام میں پیش کیے جاتے رہے، نغماتِ حمد و نعت سے دشت و جبل گونج اٹھے، واعظانِ خوش الحان اور خطیبانِ شیریں بیان نے خوب داد سمیٹی۔ مہینہ بھر چہروں پر خوب رونق رہی اور وہی بات جو اعلیحضرت فاضل بریلوی نے فرمائی ہے، آنکھوں سے دیکھ لی۔

اُن کے نثار کوئی کیسے ہی رنج میں ہو
جب یاد آگئے ہیں، سب غم مٹا دیئے ہیں

یقیناً یہ سارا سکون و سرور حضور پرنور ﷺ کے ذکر خیر کی برکات میں سے ہے۔ قوم کا ربیع الاوّل شریف اس اہتمام سے منانا اس بات کی دلیل ہے کہ کملی والے آقا ﷺ کا آج بھی اپنی امت کے دلوں پر راج ہے۔ جلسہ وجلوس پر بے تحاشا خرچ اس بات کی علامت ہے کہ امت آج بھی اپنے آقا و مولا علیہ الصلوۃ السلام کے نام پر کسی قسم کی مالی قربانی سے دریغ نہیں کرے گی۔ مسجدوں، کارخانوں اور گھروں پر چراغاں کا اہتمام اس بات کی غمازی کرتا ہے کہ نہاخانہء باطن میں عشق نبی ﷺ کے چراغ روشن ہیں۔ جذبات میں یہ حرارت، یہ جوش و خروش، یہ ولولہ انگیزی اس نکتے کی آئینہ دار ہے کہ اس قافلہ عشق کی سالاری کے فرائض سرانجام دینے والا کوئی ہو تو بہت کچھ ہو سکتا ہے۔

بہرحال شریف ربیع الاول شریف آیا اور اپنی مدت پوری کر کے بیت گیا مگر قوم نے اس سے فائدہ نہیں اٹھایا، اور وہ فیض حاصل نہیں نے کیا جو اس کا اصل انعام ہونا چاہئے تھا۔ حضرت علامہ اقبال علیہ الرحمہ نے ایک محفل میلاد میں خطبہ دیتے ہوئے فرمایا تھا، کہ تین چار سال پہلے ”مجھے“ ایک خواب آیا امت اپنے نبی کریم علیہ الصلوہ والسلام کے میلاد پر متفق ہو گی۔ آج میلاد مناتے میرا دل یہ کہہ رہا ہے کہ وہ خواب سچا تھا۔

ربیع الاوّل شریف کا اولین پیغام تو یہی تھا کہ جس نبی علیہ الصلوۃ والسلام کا کلمہ پڑھتے ہو، اسی کے نام پر یکجان و یکدل ہو جاؤ، مگر افسوس اس پیغام کی خاطر خواہ پرواہ نہیں کی گئی۔ بلکہ سب نے سنا ہی نہیں بلکہ سب نے ربیع الاوّل شریف کی اہمیت ہی نہیں سمجھی اور میلاد شریف کی

اہمیت ہی سے منکر رہے۔ بلکہ سارا زور اس بات پر صرف کرتے رہے میلاد منانا بدعت ہے اور منانے والے بدعتی ہیں۔ نبی ﷺ کی عظمت وشان کے گیت گانے والے گیت گاتے رہے، اُن کے خداداد کمالات کے ذکر سے قلوب واذہان کو گرماتے رہے، چہکاتے رہے اور منکرین چیختے رہے کہ کہیں کسی دل میں نبی ﷺ کی محبت جڑ نہ پکڑ لے۔ پر انہیں چھوڑیئے انھیں ایک ہی تو کام آتا ہے، تنقیص، تردید، تغلیط، تنقید۔ جس گروہ کو اپنے نبی ﷺ کے ذکر سے جلن ہو اور ہر قیمت پر اسی کے خلاف ہرزہ سرائی کرتا رہے، اُس سے اتحاد و یگانگت کی توقع خود ایک فریب ہے۔

ہاں بڑھ چڑھ کر میلاد کرنے، جلوس نکالنے اور خوشیاں منانے والوں سے ضروری گزارش ہے کہ انھوں نے اس ماہ مقدس سے کیا ولولہ تازہ لیا۔ آپ نے باہمی اتحاد و یگانگت کے لئے کیا لائحہ عمل تیار کیا۔ بخدا آج عالم اسلام کا سب سے بڑا مسئلہ اتحاد و تنظیم کا فقدان ہے۔ دنیا بھر کے کفار و مشرکین ایک پلیٹ فارم پر آرہے ہیں، کس لئے صرف ایک امت کو ختم کرنے کے لئے، ان کے دین کا (معاذ اللہ) نام ونشان مٹا دینے کیلئے ان کے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے نام کی دہائی روکنے کیلئے۔ انھوں نے بڑی بے رحمی سے افغانستان کو پامال کیا' انتہائی سفاکی سے عراق کی اینٹ سے اینٹ بجائی، اب ایران کو بھی دھمکیاں شروع ہوگئیں امت 'بے حسی' کے زمہریر میں ٹھٹھر رہی ہے۔ مایوسی کے منجدھار میں پھنسی ہوئی ہے۔ پست ہمتی کے غاروں میں منہ چھپا رہی ہے۔ سچی بات یہ ہے کہ ہمیں ایک مدت سے انتظار ہے پھر کوئی طارق بن زیاد آئے جو کشتیاں جلا کر میدان مارے، پھر کوئی صلاح الدین ایوبی آئے جو صلیبیوں کے مقابلے میں قوم کو کھڑا کردے، پھر کوئی محمود غزنوی آئے جو بت شکن ہو، بت فروش نہ ہو۔

جنرل پرویز مشرف سے بڑی امید تھی۔ اس نے بھی امیدوں پر پانی پھیر دیا، ٹوٹے دل سے یہی صدا آتی ہے اگر پرویز سن سکے۔

آتا ہے بش جو تیغ بکف قوم کی طرف
اے کشتۂ ستم تری غیرت کو کیا ہوا

مگر افسوس حزب اختلاف کا رویہ قابل تحسین نہیں۔ قومی اسمبلی میں داڑھی والوں کا ننگے منہ، ننگ سر عورتوں سے مل کر دھمال ڈالنا اور پنجاب اسمبلی میں مار کٹائی، ہاتھاپائی از حد شرمناک، قوم و ملک کیلئے رسوا کن اور مستقبل کیلئے براشگون ہے۔ ایک طرف دشمن ہمیں روندڈالنے پر تلا ہوا ہے ادھر ہم ناچ کود میں مگن ہیں۔

بہرحال ربیع الاول شریف آیا اور بیت گیا۔

سرما بگزشت و ایں دل زار چناں
گرما بگزشت و ایں دل زار چناں
القصور تمام سرد و گرم عالم
برما بگزشت و ایں دل زار چناں

☆☆......☆......☆☆

اتحاد ملت کی ضرورت و صورت (۶)

پروفیسر محمد حسین آسی

دیکھا آپ نے ملت کو اتحاد کی کس حد تک ضرورت ہے اور یار لوگوں نے اتحاد ملت کی بنیاد کو ہی جڑ سے اکھاڑ کر باہر پھینکنے کی کوشش ناپاک کیلئے اپنے ناپاک زندگی کے ایک ایک ناپاک لمحے کو وقف کر دینے کیلئے سر دھڑ کی بازی لگا رکھی ہے۔ ہاں ہاں ملت کے استحکام کا سوال تو پیدا بعد میں ہوگا پہلا اور سب سے اہم مرحلہ ہے ملت کی تشکیل کا اور یہ ہے مرہون منت نسبت نبوت کی، مفکر پاکستان حضرت حکیم الامت علامہ ڈاکٹر محمد اقبال فرماتے ہیں

حق تعالیٰ پیکر ما آفرید — وز رسالت درتن ما جاں دمید

حرف بےصوت اندریں عالم بدیم — از رسالت مصرع موزوں شدیم

از رسالت در جہاں تکوین ما — از رسالت دین ما آئین ما

از رسالت صد ہزار ما یک است — جزو ما از جزو ما لاینفک است

ان اشعار کا سیدھا سادھا مفہوم کچھ یوں ہے کہ حق تعالیٰ نے ہمارا جسم پیدا فرمایا تو رسالت جان کی طرح اس میں پھونک دی، چنانچہ ہم اس دنیا میں ایک ایسے حرف کی طرح تھے جو کہ آواز سے محروم ہو اور کسی صورت اس کا تلفظ ہی نہ بنتا ہو، پھر کیا ہوا، رسالت کی برکت سے ہم الفاظ ہی نہیں بن گئے بلکہ وزن مصرع بن گئے۔ (گویا جس طرح مصرع میں الفاظ منظم شکل میں آ کر وزن مصرع بن جاتے ہیں یہی ہمارا حال ہوا) رسالت سے ہی جہاں میں ہماری ہستی وجود ہے، اسی سے ہمارا دین اور ہمارا آئین ہے۔ یہ رسات کی برکت ہے کہ ہمارا ایک لاکھ بھی ایک ہی ہوتا ہے اور ہمارا ایک ایک فرد ایک دوسرے سے اس طرح ملا ہوا ہے کہ جدا ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا

اپنے افکار کی مزید وضاحت فرماتے ہیں، ان پر جو کتاب نازل ہوئی مومن کے دل کیلئے وہ سراپا قوت ہے اور جو حکمت نازل ہوئی ملت کی شہ رگ ہے ان کا دامن ہاتھ سے دینا نری موت ہے اور پھول باد خزاں سے مرجھا جانے کی طرح ہے، یہ شعر خصوصیت سے قابل غور ہے۔

فرد از حق ملت از وے زندہ است

از شعاع مہر او تابندہ است

یعنی فرد حق سے زندہ رہتا ہے تو ملت کی زندگی نسبت نبوت سے ہے اور اس ملت کی ساری چمک دمک کا انحصار اسی سورج یعنی نبی کریم علیہ الصلوۃ والسلام پر ہے۔

اس کے بعد حضرت اقبال علیہ الرحمۃ نے فلسفہ ختم نبوت بیان فرمایا ان کے نزدیک ملت اسلامیہ ہمیشہ متحد و یکجان رکھنے کیلئے رب تعالیٰ نے ہمارے رسول پاک ﷺ کو آخری نبی اور ہماری قوم کو آخری قوم بنایا ہے، فرماتے ہیں

تا نہ ایں وحدت زدست ما رود
ہستی ما با ابد ہمدم شود
پس خدا برما شریعت ختم کرد
بر رسول ما رسالت ختم کرد

(تا کہ یہ وحدت کا رشتہ ہمارے ہاتھ سے چھوٹ نہ جائے اور ہماری ملی زندگی ہمیشہ برقرار رہے، اس لئے خدا نے ہم پر شریعت اور ہمارے رسول ﷺ پر نبوت ختم کر دی)

یہ ہے عاشق رسول حضرت علامہ اقبال علیہ الرحمہ کے نزدیک منصب نبوت کی اہمیت کہ ملت کی تشکیل اسی سے ممکن ہے، اسے ہمیشہ کیلئے دنیا میں زندہ اور متحد منظم رکھنے کیلئے ضروری ہے کہ اس کا تعلق اللہ کے پیارے حبیب ﷺ سے وابستہ رکھا جائے اور یہ اسی صورت میں ممکن ہے کہ اس کے نبی پر ختم نبوت کا اور خود اس کے سر پر ختم اقوام کا تاج رکھا جائے، اس کے برعکس دارالعلوم دیوبند کے مشہور و معروف بانی مولانا محمد قاسم نانوتوی کے نزدیک جو حضور ﷺ کو خاتم النبین قرآن پاک میں فرمایا گیا، اس میں کوئی فضیلت کی بات نہیں ہے۔ انھیں خود بھی اس حقیقت کا اعتراف ہے کہ ساری امت مسلمہ میں اس سے پہلے یہ بات کسی نے نہیں کہی (مگر اس کے باوجود وہ بدعتی بھی نہیں ہیں) خود ہی انصاف فرمایئے جو بات قرآن پاک میں بھی نہیں آئی اور جلیل القدر صحابہ کرام وائمہ اہل بیت رضی اللہ عنھم کے باوجود کسی کے منہ سے نہیں نکلی اور ان کے بعد کسی کا رجحان بھی اس کی طرف نہیں ہوا، وہ امت مسلمہ کے حق میں کس قدر مفید ہو سکتی ہے اور فی نفسہ کتنی سچی اور یقینی ہو سکتی ہے۔

مگر یار لوگوں کا یہ معیار ہی کب تھا کہ وہی بات کی جائے جو امت مسلمہ کے حق میں مفید ہو اور وہی فکر دی جائے جو اس کے لئے کام کی ہو۔ ہاں اگر ان کے پیش نظر کوئی معیار تھا بھی تو وہ یہی تھا کہ بات وہی کی جائے جو انتشار پھیلانے والی ہو۔ اگر یہ بات نہ ہوتی تو ایسی بات کی ہی کیوں جاتی جس کے بارے میں خود بھی سو فیصد اطمینان ہے کہ امت میں اس سے پہلے یہ بات کبھی نہیں کی گئی اور جب یہ بات کہی جائے گی تو ایک طرف خدا اور خدا کا رسول ﷺ ہے، سارے اہل بیت ہیں، سب کے سب صحابہ کرام ہیں، تابعین ہیں، تبع تابعین، ائمہ محدثین ہیں، فقہا و مفسرین ہیں، صوفیائے کاملین ہیں بلکہ مختصر یہ کہ ساری امت ہے اور دوسری طرف صرف ایک شخص جسے خود بھی اپنی فکری تنہائی کا احساس ہے۔ میں نے ایک بار ایک منکر حدیث سے پوچھا جو پرویز کا مقلد تھا کہ تمھارے نزدیک جب پرویز سے پہلے قرآن پاک کو سمجھ ہی نہیں سکا تو کیا اس کا مطلب یہ نہیں کہ قرآن پاک پہلے نازل ہوا اور اس کی سمجھ چودہ سو سال بعد نازل ہوئی۔ خود سوچئے یہ سوچ کتنی معقول ہے۔ اب دیانتداری سے کوئی شخص یہ بات ایک لمحے کے لئے بھی سوچ سکتا ہے کہ اکلوتی بات کرنے والا شخص قوم میں اتحاد و اتفاق کا خواہاں ہے؟ مگر سوچنے والوں کو یہ بھی سوچنا چاہئے کہ آخر یہ سوچ کسی شخص کے ذہن میں اسی وقت کیوں پیدا ہوئی جب اس سے پہلے انگریزوں کے منحوس قدم اس سرزمین برصغیر میں آچکے تھے۔ ایک طرف ملت اسلامیہ کی تاریخ کی گیارہ بارہ صدیاں اور دوسری طرف صرف ایک صدی۔ اور سوچنے کی بات ہی چل نکلی ہے تو یہ بات بھی سوچنا ہوگی کہ انگریزوں نے دو ایک باتیں اگلوائیں ہیں اور سب لوگوں کو معلوم ہو گیا کہ انگریزوں کی ہی سازش ہے۔ مگر اس سازش کی تفصیل کیا ہے اور کیا صورت حال صرف اتنی ہی تاریک ہے جتنی نظر آرہی ہے۔ نہیں، ایسا نہیں ہے، انگریزوں کی اسلام دشمن طبیعت نچلی بیٹھنے والی نہیں تھی۔ یقیناً انھوں نے ایک آدمی پر اکتفا نہیں کی۔ انھوں نے بہت سے لوگ خریدے اور اپنے ان تمام زرخرید بندوں کو مختلف ڈیوٹیاں سونپی گئیں۔ مثلاً اس واقعے کے اسی انکار ختم نبوت پر غور کر لیجئے۔ ایک سے خاتم النبین کے معانی بدلوائے اور دوسرے کو نبوت کا دعویٰ کرنے کا کام سونپا گیا۔

اب جب دور حاضر میں ملت کے فرزندوں کو سر جوڑ کر بیٹھنے کی تلقین کی جاتی ہے اور اسی کو ملت کے تمام مسائل کا حل قرار دیا جاتا ہے تو کیا خلوص سے اس بات کو سمجھنے کی ضرورت نہیں کہ اب تک اس اتحاد ملت کو کس نے نقصان پہنچایا ہے اور نقصان پہنچانے والوں کے مقاصد کیا تھے اور اب ان سے گلوخلاصی کی کیا صورت ہے۔ جو

لوگ اپنے غیر ملکی آقاؤں کی رضا پر اپنا سب کچھ داؤ پر لگانے پر آمادہ ہو سکتے ہوں اور کفر و شرک کے سرغنوں پر اپنا دین و ایمان تک قربان کرنے کے لئے بیتاب رہتے ہوں، ان کی یا ان کی اولاد کی موجودگی میں اتحاد ملت کی بیل کیونکر منڈھے چڑھ سکتی ہے اور قوم کیونکر متحد ہو سکتی ہے۔

پھر جو قوم اپنے نبی ﷺ سے ابھی غیر مشروط اور مکمل وابستگی کے مرحلے میں ہے، وہ تو ابھی قوم ہی نہیں بنی تو اس سے اتحاد قومی کی بات کریں تو کس توقع پر۔ اور ایسی قوم سے نبی ﷺ کے غلاموں سے محبت و اخلاص کی توقع کیونکر؟ ہاں ہاں امت کے خیر خواہ تو وہی ہو سکتے ہیں جو اپنے نبی ﷺ کی سچی غلامی کے جذبے سے سرشار ہیں، جو تشکیل ملت کے پہلے مرحلے سے گزر چکے ہیں۔ جو اپنے نبی ﷺ کو اللہ کا آخری نبی ﷺ اور ملت اسلامیہ کو آخری ملت سمجھتے ہیں۔ اور کسی قیمت پر بھی سرتابی پر تیار نہ ہوں۔ مگر یہ سب ''معیار'' کی باتیں ہیں، جہاں معیار ہی کوئی نہ ہو، ان کی کیا بات؟۔

دیکھنے کو تو ''دیوبند'' اور ''قادیان'' دو مختلف یا متضاد تحریکیں نظر آتی ہیں۔ لیکن دونوں تحریکوں کے بانی اگر خاتم النبیین کے معانی پر متفق اور متحد ہوں تو اختلاف کس حد تک رہ جاتا ہے۔ اور تضاد کی کون سی صورت کو آپ تضاد کہہ سکتے ہیں۔ اگر دونوں کا استدلالی مقابلہ کیا جائے تو شائد یہ کہنا پڑے کہ خاتم النبیین کی ترکیب کو اجماعی اور معروف معنی سے ہٹانے کے لئے دیوبند کی ''قربانیاں'' زیادہ پرانی اور زیادہ مدلل ہیں۔ چونکہ مولانا محمد قاسم اسی رسالہ تحذیر الناس میں اپنا فیصلہ دے چکے ہیں کہ ''تقدم و تاخر زمانی میں کوئی فضیلت کی بات نہیں'' لہٰذا اب دیوبند کے ''تقدم'' کی بات نہیں چھیڑتے۔ یعنی نانوتوی صاحب اگر تقدم کے حق میں فضیلت کا فیصلہ فرما چکے ہوتے تو مرزا قادیانی پر انھیں قرآن پاک میں تحریف معنوی کرنے پر ''تفوق و فضیلت'' حاصل ہو جاتی۔ ان دو تحریکوں کا یہی اتحاد تھا جس کی طرف علامہ اقبال نے ایک جگہ مخصوص اشارہ فرمایا تھا۔

''قادیان اور دیوبند اگر چہ ایک دوسرے کی ضد ہیں لیکن دونوں کا سرچشمہ ایک ہے اور دونوں اس تحریک کی پیداوار ہیں جسے عرف عام میں وہابی کہا جاتا ہے''

(اقبال کے حضور تالیف سید نذیر نیازی۔ مطبوعہ کراچی ۱۹۷۱ء بار اول)

اس صورت حال میں قوم کے بہی خواہوں کا لائحہ عمل کیا ہونا چاہئے؟ خوب غور و خوض کی بات ہے۔ اسمیں کوئی شک نہیں مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی کے ذمہ اتنا ہی کام تھا کہ دعوئ نبوت کا راستہ ہموار کر جاتے۔ چنانچہ مرزا قادیانی کے دعوئ نبوت سے پندرہ سولہ سال پہلے انھوں نے تحذیر الناس نامی کتاب شائع کر دی۔ جس میں اسی موضوع پر نکتہ آفرینی کی گئی تھی۔ ''ختم نبوت'' یعنی آخری نبی ہونا، یہ انبیاء علیہم السلام پر فضیلت کی بات تھی۔ مگر اس سے بھی زیادہ ضروری صداقت نبوت کا عقیدہ ہے مولانا نانوتوی صاحب نے اس پر بھی ہاتھ صاف کیا۔ جیسا کہ گذشتہ قسط میں کسی حد تک تفصیل سے گزر گیا۔ انھوں نے ''تصفیۃ العقائد'' میں نبی کے لئے سچا ہونا غیر ضروری قرار دیا۔ مرزا قادیانی کو ان دونوں چیزوں کی شدید ضرورت تھی۔ چنانچہ خاتم النبیین کا معنی معروف بدل کر اس کا ترجمہ افضل النبیین کر دیا۔ اب اس سے مولانا کو کیا فرق پڑتا ہے کہ اس سے بارہ سو سالہ تاریخ عقائد بدل جاتی ہے۔ مسلمانوں اور عیسائیوں میں توحید اور تثلیث کے علاوہ ایک اور اہم فرق یہ ہے کہ وہ انبیاء کرام علیہم السلام کو معصوم نہیں مانتے اور موجودہ انجیلوں میں بار بار حضرات انبیاء علیہم السلام کی عصمت پر ناپاک حملے کئے گئے ہیں۔ مرزا قادیانی کا کردار بھی درست نہیں تھا اور پیشگوئیاں بھی غلط کرتا تھا۔ لہٰذا (معاذ اللہ) اس کی نبوت منوانے کے لئے ضروری تھا کہ یہ تصور بھی ذہن نشین کرا دیا جائے کہ انگریز جس شخص کی ''نبوت'' کا منصوبہ بنا رہے ہیں، اس کے بدکردار اور کاذب ہونے سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ گویا اس کا بدصورت ہونا تو مُسلَّم سہی مگر وہ بدسیرت بھی ہے۔ یہاں تک کہ جھوٹ بولنا بلکہ صریح طور پر جھوٹ بولنا بھی اسے نقصان نہیں دیتا۔ آخر سچے رب کی دی ہوئی نبوت میں اور جھوٹے انگریزوں کی دی ہوئی نبوت میں فرق بلکہ تضاد ہونا ہی چاہئے۔ خدائے پاک کے پاک نبی کو خدائے پاک کا سچا اور پاک پیغام لانا تھا اور جھوٹوں کے تیار کردہ جھوٹے مدعی کو جھوٹا پیغام لانا تھا۔

حضرت علامہ اقبال علیہ الرحمۃ کی یہ صراحت گزری کہ خداوند کریم و رحیم تمام انسانوں کو متحد و منظم دیکھنا چاہتا تھا۔ اس لئے اس نے اپنے حبیب رحیم و کریم ﷺ

پر سلسلہ نبوت بند کر دیا تا کہ نہ دعویٰ نبوت ہو اور نہ اس سے انکار اور انتشار کا دروازہ کھلے۔ انگریز انسانیت کے دشمن ہیں، وہ ہر قیمت پر اس میں انتشار پھیلانا چاہتے تھے لہٰذا انھوں نے اپنی طرف سے یہ سلسلہ جاری کر دیا اور ہوا پھر جو ہوا۔ چنانچہ مولانا احسن نانوتوی (دیوبندی) کے سوانح حیات مرتب کرنے والے پروفیسر ایوب قادری دیوبندی لکھتے ہیں۔

''اس مدرسہ نے یوماً فیوماً ترقی کی ۳۱ جنوری ۱۸۷۵ء بروز یکشنبہ لفٹیننٹ گورنر کے ایک خفیہ معتمد انگریز مسمّی 'پامر' نے اس مدرسے کو دیکھا تو اس نے نہایت اچھے خیالات کا اظہار کیا۔ اس کے معائنے کی چند سطور درج ذیل ہیں ''جو کام بڑے بڑے کالجوں میں ہزاروں روپیہ کے صرف سے ہوتا ہے، وہ یہاں کوڑیوں میں ہو رہا ہے۔ جو کام پرنسپل ہزاروں روپیہ ماہانہ تنخواہ لے کر کرتا ہے، وہ یہاں پر ایک مولوی چالیس روپیہ ماہانہ پر کر رہا ہے۔ یہ مدرسہ خلاف سرکار نہیں بلکہ موافق سرکار، ممد معاون سرکار ہے۔''

فرمایئے اس گھر کی گواہی کے بعد مزید کس اطمینان کی ضرورت ہے۔ اس قسط کی ابتداء میں یہ وضاحت ہو چکی ہے۔ کہ جو لوگ اپنے سچے نبی ﷺ کی محبت سے خالی ہوں، ان سے امت کی خیر خواہی کی توقع رکھنا فضول ہے۔ چنانچہ انتشار پھیلتا رہا، عقیدے گھڑے جاتے رہے، لوگ مرکز نبوت سے پھر کر پگڈنڈیوں پر چل نکلے اور چند سالوں میں اتنے عقائد پیدا ہوئے کہ شائد ساری تاریخ اسلام میں اسکی مثال نہیں ملتی۔ گذشتہ اور جدید اختلافات میں زیادہ فرق یہ تھا کہ پہلے کسی نے صحابہ کرام علیہم الرضوان کا انکار کیا اور دوسرا ردعمل کے طور پر اہل بیت اطہار علیہم الرضوان سے باغی ہو گیا۔ ایک قدری ہوا تو دوسرا جبری، مگر تن کے گورے اور من کے کالے انگریزوں کے دور میں جو اختلافات پیدا ہوئے عموماً ان کا رخ عظمت رسالت کی طرف تھا۔ مثلاً ختم نبوت کا معنی بدلنا، عصمت نبوت سے انکار۔ منکرین اطاعت نبوت کے جواب میں اہل حق ہمیشہ یہ دلیل دیتے تھے کہ نبی اس لئے واجب الاطاعت ہے کہ معصوم ہے، اب عصمت نبوت سے انکار کیا تو اطاعت نبوت سے بھی محروم کر دیئے گئے۔ یوں ہی نبی کے علم غیب، حاضر و ناظر ہونا وغیرہ بھی عظمت و رفعت نبوت سے تعلق رکھنے والی باتیں تھیں۔ چنانچہ زیادہ تر نبی کی شان و شوکت کو ہی موضوع بحث ٹھہرا لیا گیا۔ یہ اختلاف و انتشار بڑھتا گیا۔ اور فرقے دھڑا دھڑ پیدا ہوتے گئے۔ نبی سے خلوص نہیں تھا تو امت سے کیونکر ہوتا۔ پہلے انگریزوں کے ہاتھوں بکے تھے اور پھر ہندوؤں کے ہاتھوں فروخت ہوئے۔ دو ہی کام تھے بکنا اور بکنا۔ مثلاً گاندھی اسلام دشمن تھا، قائداعظم نے پہچانا، حکیم الامت نے پہچانا، مولانا ظفر علی خان صاحب نے کچھ دیر بعد پہچان لیا مگر پہچانا تو فرمایا۔

بھارت میں بلائیں دو ہی تو ہیں، اک ساورکر، اک گاندھی ہے
اک جھوٹ کا اٹھتا طوفاں ہے، اک مکر کی چلتی آندھی ہے

اور حق یہ ہے کہ ان سے بھی پہلے مجدد دین و ملت فاضل بریلوی قدس سرہ نے پہچانا اور پہچاننے کا حق ادا کر دیا۔ وہ لوگ جو برصغیر ہندو پاک پر گہری نظر رکھتے ہیں، جانتے ہیں کہ انگریز اپنے راج پاٹ کے لئے مسلمانوں کو خطرناک سمجھتے تھے اور ان کا راستہ روکنے کے لئے ہندوؤں سے مل کر سازشیں کیا کرتے تھے، تو جس نے انگریزوں کو پہچان لیا، ہندوؤں کو بھی پہچان لیا اور جس نے انگریزوں کو نہ پہچانا، ہندوؤں کو بھی نہ پہچان سکا۔ اس میں کیا شک تھا کہ دونوں مسلمانوں کے دشمن تھے مگر ہندو زیادہ اور نسبتاً انگریز کم۔ کتنی عجیب بات ہے کہ انگریزوں کی آمد ہو رہی تھی اور ان کا تسلط ابھی پورے طور پر نہیں ہوا تھا کہ مسلمانوں میں ''توحید'' کا مسئلہ چھڑ گیا۔ حالانکہ اس وقت اس پر کسی کو اختلاف ہی نہیں تھا۔ (مقصد یہ تھا کہ مسلمانوں کو کمزور کر کے انگریزوں کو فائدہ پہنچایا جائے) اب ہندوؤں سے اتحاد کی باری تھی تو ہندو مشرکوں کو بھی برداشت کر لیا گیا۔ یعنی اب بھی مسلمانوں کو کمزور کرنا مقصود تھا۔ اور یہ ثابت کرنا ضروری تھا کہ گاندھی ہی مسلمانوں اور ہندوؤں کا واحد نمائندہ ہے۔ تا کہ قائداعظم کے برعکس گاندھی کو مضبوط کر کے قیام پاکستان کی راہ روکی جائے۔ اس سلسلے میں خدا کے واضح قرآنی ارشادات کو پس پشت ڈال کر ہندوؤں کو راضی کرنے کے لئے جو کچھ کیا گیا وہ ہولناک بھی ہے اور

شرمناک بھی۔

ٹھنڈے دل سے سوچئے کیا پاکستان کا قیام ضروری تھا یا نہیں۔ وہ لوگ جو پاکستان کے حصول کی کوششیں کر رہے تھے، وہ ملت اسلامیہ کے فائدے کے لئے کر رہے تھے یا نقصان کے لئے۔ حضرت قائداعظم بار بار فرماتے تھے کہ پاکستان اسلام کی ایک تجربہ گاہ ہوگا۔ جس میں ہم دنیا بھر کے لوگوں کو اسلامی نظام کی برکات کا مشاہدہ کرا سکیں گے۔ یعنی یہ دکھا سکیں گے کہ اسلام نے زندگی کے لئے جو اصول وضوابط اور قوانین عطا فرمائے ہیں، ان پر عمل کر کے اس دنیا میں بھی انسان کو جو رفعت وعظمت اور امن وعافیت میسر آتی ہے اس کی مثال نہیں۔ یہاں گویا کتاب وسنت کی حکمرانی ہوگی اور شریعت کا نظام نافذ ہوگا۔

حضرت قائداعظم نے گہری نظر سے ہندوؤں کی متعصبانہ ذہنیت کا مطالعہ اور مشاہدہ کیا تھا جو گائے کا پیشاب پینے کے باوجود خود کو پاک اور باقی قوموں کو ناپاک سمجھتے تھے۔ بلکہ ان کی فکر اتنی تنگ وتاریک تھی کہ اپنے ہی ہم مذہب اور ہم وطن شودروں کو بھی ناپاک سمجھتے تھے۔ حقیقت یہ ہے کہ ان کے ساتھ زندگی گزارنا مسلمانوں کو ہی نہیں، دوسری سب قوموں کو بھی عذاب مسلسل کی حیثیت رکھتا تھا۔ ابھی گذشتہ دنوں احمد آباد (گجرات) میں مسلمانوں کے خون کی ہولی کھیلی گئی۔ آزادی ۱۹۴۷ء کے بعد بھارت میں اب تک ہزاروں مسلمان کش فسادات برپا ہو چکے ہیں اور کتنے ہی گرجوں اور دوسری قوموں کے معابد پر حملے کئے گئے ہیں۔

یہ ذہنیت قیام پاکستان پہلے بھی تھی بلکہ ہندو جب سے ہندو ہے اسی سوچ کا آئینہ دار رہا ہے۔ اور ہندو اپنی گنجائش اور طاقت کے مطابق دوسری قوموں سے لڑتے ہی رہے ہیں۔ پھر اس قوم کا رہنما گاندھی انڈین نیشنل کانگرس کے پلیٹ فارم سے جب میدان سیاست میں کودا تو اس نے بظاہر بھی یہ دعویٰ نہیں کیا کہ آزاد ہوئے تو کتاب وسنت کا نظام لایا جائے گا۔ اس کی منزل مقصود صرف آزادی تھی۔ کہاں کتاب وسنت کا نظام اور کہاں صرف آزادی۔ اب وہ لوگ جو بات بات پر مسلمانوں کو مشرک کہتے تھے، قائداعظم کے بجائے اس کی زلف گرہ گیر کے اسیر ہوگئے، آخر کیوں؟ پھر ایک اور بات اور بھی عجیب ہے۔ قائداعظم اللہ کے فضل سے سچ بولتے تھے اور کسی کو دھوکا نہیں دیتے تھے، کسی سے وعدہ خلافی نہیں کرتے تھے، حق یہ ہے کہ ان کے اسی مومنانہ کردار سے، ان کی ہیبت مومنانہ سے سب لرزتے تھے۔ اس کے برعکس گاندھی بات بات پر مکرتا تھا۔ وعدہ خلافی کرتا تھا اور دھوکا دیتا تھا۔ اس سے دھوکا کھانے کی کوئی ظاہری وجہ نظر نہیں آتی کہ دھوکا کھانے والا دھوکا کھانے پر تلا ہوا ہو۔ قائداعظم کی منزل مقصود بھی اعلیٰ اور کردار بھی اعلیٰ مگر گاندھی کی منزل مقصود بھی ناقص اور نیت بھی کھوٹی، اس کے باوجود اس سے وہ دھوکا کھائے جو خود کو شیخ الاسلام، شیخ التفسیر اور شیخ الحدیث کہتا ہو؟ کیا کتاب وسنت میں اس کے بارے میں کوئی روشنی نہیں ملتی، کیا عقل کوئی رہنمائی نہیں کرتی، پھر گاندھی جس آزادی کو منزل مقصود ٹھہراتا تھا، وہ صرف ہندوؤں کی آزادی تھی، مسلمانوں کیلئے تو وہ غلامی کی بدترین صورت تھی۔ پھر گاندھی کی قربان گاہ پر قربان ہو کر پوری ملت اسلامیہ کو اس کی بھینٹ چڑھانے کی کوشش کرنے والے ملت کے خیر خواہ ہوئے یا دشمن، خوب غور کریں۔

دیوبند کے سپوت سواچند ایک کے ابوالکلام آزاد کے ساتھ تھے اور آج بھی ان کا وسیع حلقہ، اس کا حلقہ بگوش ہے، یہ بدبخت مادر پدر آزاد جس نے بزعم خویش تفسیر قرآن بھی لکھی ہے، اس حد تک آگے نکل گیا تھا کہ نجات اخروی کیلئے رسالت پر ایمان لانا بھی ضروری نہیں سمجھا جاتا تھا۔ چنانچہ جامعہ ملیہ دہلی میں اس کا علامہ اقبال علیہ الرحمہ کے شاگرد سید نذیر نیازی صاحب (مرحوم) سے مقابلہ ہوا انھوں نے اسے لاجواب کر دیا تو بکنے لگا، آپ مجھے خاموش کر سکتے ہیں، مطمئن نہیں،...... اسی بدبخت نے کوئی اس قسم کی بات کی تھی کہ ایک مشرک پر دس مسلمانوں کو قربان کرتا ہوں تو فاضل بریلوی قدس سرہٗ نے فرمایا تھا۔

آزاد نگرنہ تو بیشک مشرک　　　　ده مسلمے دہی پے یک مشرک

زاسلامت اگر بہرہ بدے میکردی　　　　بر ناخن مسلمے فدا لک مشرک

ترجمہ: تو بیشک مشرک تو ہے مگر آزاد نہیں ہے (اس لئے کہ) دس مسلمانوں کو ایک مشرک پر (معاذ اللہ) قربان کئے دیتا ہے۔ اگر اسلام سے تجھے کچھ بھی واسطہ ہوتا تو ایک مسلمان کے ناخن پر لاکھ مشرکوں کو قربان کرتا۔

قسط: ۳۰

پروفیسر محمد حسین آسی

توحید اور محبوبانِ خدا کے کمالات

حضور پرنور ﷺ اللہ کی برہان ہیں، امین کے علم کی، اس کے کمالات قدرت کی اور اس کی یکتائی کی برہان۔ یعنی کوئی شخص اللہ کے علم غیر متناہی (بے انتہا) کا جلوہ دیکھنا چاہے تو حضور پرنور ﷺ کے علم وسیع کے جلوے دیکھے، کوئی اللہ کی قدرت کے کمالات کا جلوہ دیکھنا چاہے تو در رسول ﷺ پر آئے یہاں اس کی تشفی ہو جائے گی اور کوئی اس کی حد تک کی یکتائی کا نظارہ کرنا چاہے تو اس کے حبیب علیہ الصلوٰۃ والسلام کی سیرت پر غور کرے تو اسے محسوس ہوگا صورت و سیرت میں یہ محبوب اکرم ﷺ اللہ کی یکتائی ہی کے مظہر کامل ہیں۔ اللہ علیم ہے تو یہ بھی اپنی شان کے مطابق علیم ہیں اللہ رحیم و کریم ہے تو یہ بھی رحیم و کریم ﷺ ہیں۔ اللہ اول و آخر اور ظاہر و باطن ہے، تو یہ بھی مظہر صفاتِ الٰہی ہونے کی حیثیت سے اوّل و آخر ظاہر و باطن ہیں۔

ہاں ہاں یہ اپنے اللہ کی صفات میں حصہ دار نہیں اور نہ یہ صفاتِ نبویہ بالکل اسی شان اور مفہوم کی ہیں جو اللہ کی صفات ہیں۔ چونکہ اللہ کا اول و آخر، ظاہر و باطن، رحیم و کریم اور عظیم و علیم ہونا اس کی ذات کی طرح قدیم یعنی بے ابتدا ہے مگر حضور پرنور ﷺ کی صفات با ابتدا۔ اللہ کی ذات بھی قدیم اور صفات بھی، مگر اس کے سوا کسی کی ذات یا صفات قدیم نہیں۔ یہ صفات نام کے اعتبار سے وہی سہی مگر شان کے اعتبار سے بالکل وہی نہیں، ان کا پرتو ہیں۔

اسی طرح اللہ کی ایک صفت ہے

''اللہ نور السموات والارض'' (النور-۳۵)

ترجمہ :اللہ نور ہے آسمانوں اور زمین کا۔ (کنزالایمان)

تو حضور انور ﷺ اس صفت میں بھی اس کی برہان ہیں اور زمینوں اور آسمانوں میں انوار و تجلیات کی بارشیں برسا رہے ہیں۔ چنانچہ اسی نے حضور پرنور ﷺ کے ذمے یہ کام لگایا ہے اور ان کو بھیجا ہی نور بنا کر ہے اور یہ دنیا میں تشریف لائے ہیں تو نور بن کر ہی تشریف لائے ہیں۔

''قد جاء کم من اللہ نور'' (المائدہ-۱۵)

ترجمہ: بیشک تمہارے پاس اللہ کی طرف سے ایک نور آیا۔ (کنزالایمان)

کچھ تفصیل اس کی یہ ہے کہ اللہ نے ایک مکان بنایا

''ھو الذی جعل لکم الارض فراشا و السمآء بنآء'' (البقرہ۲۲)

ترجمہ: وہ جس نے تمہارے لئے زمین اور آسمان کو عمارت بنایا۔

جس کوٹھے کا فرش زمین ہے اور چھت آسمان، اسے روشنی کے چراغ کی ضرورت تھی، تو اسے بھیجا جو "سراج منیر" ہے۔

یا یھا النبی انا ارسلنک شاھدا و مبشرا و نزیرا ○ و داعیا الی

اللہ باذنہ و سراجا منیرا ○ (الاحزاب ۴۵،۴۶)

ترجمہ: اے غیب خبریں بتانے والے (نبی) بیشک ہم نے تمہیں بھیجا حاظر و ناظر اور خوشخبری

دیتا اور ڈر سناتا اور اللہ کی طرف اس کے حکم سے بلاتا اور چمکا دینے والا آفتاب۔

سراج (فارسی) چراغ کا معرب ہے۔ اہل فارس جسے چراغ کہتے ہیں، اسی کو عربی میں سراج کہا گیا۔ پھر یہ دیا بجھا ہوا نہیں۔ روشن ہے اور روشن ہی رہتا ہے۔ یہ 'منیر' صفت مشبہ ہے، جس میں دوام پایا جاتا ہے۔ فرش اجڑ جائے، چھت گر جائے مگر یہ چراغ جسے قدرت روشن کر چکی ہے، اس کی روشنی میں کمی نہیں آئے گی۔

چراغ را کہ ایزد بر فروزد

کسے گر تف زند، ریشش بسوزد

دیکھا آپ نے اللہ زمینوں آسمانوں کا نور ہے یعنی منور کرنے والا اور اس کو منور کرنے کی تدبیر کیا فرمائی، وہی یعنی اپنے حبیب کو سراپا نور بنا کر بھیجا۔

"قد جآء کم من اللہ نور" (المائدۃ ۱۵)

بیشک تمہارے پاس اللہ کی طرف سے ایک نور آیا۔

عبارت کے انداز ہی پر غور کیجئے۔ کتنی واضح، پرجلال کیفیت ہے۔ آنے والا کس کی طرف سے آیا ہے؟ اللہ کی طرف سے آنے والا کون ہے؟ نور ہے۔ (ﷺ)

ذرا آگے بڑھئے اس کے ہاتھ کی شان؟

"ید اللہ" اللہ کا ہاتھ

اس سے بیعت کا شرف؟

"ان الذین یبایعونک انما یبایعون اللہ" (الفتح ۱۰)

ترجمہ: وہ جو تمھاری بیعت کرتے ہیں، وہ اللہ ہی سے بیعت کرتے ہیں۔

اس کی حرکت کا مقام

"وما رمیت اذ رمیت ولکن اللہ رمی" (الانفال ۱۷)

ترجمہ: اور (اے محبوب) وہ خاک جو تم نے پھینکی تم نے نہ پھینکی تھی بلکہ اللہ نے پھینکی۔

اس کی اطاعت کی حیثیت

"من یطع الرسول فقد اطاع اللہ" (النسآء ۸۰)

ترجمہ: جس نے رسول کا حکم مانا، بیشک اس نے اللہ کا حکم مانا۔

اس کا سرگوشی کرنا؟

ہاں ہاں یہ نور ہے مگر آیا ہے شکل بشری میں، ہاں شکل ہی بشری ہے حقیقت وہی ہے جس کی تصریح ہو چکی

"قد جآء کم من اللہ نور"

ترجمہ: بیشک تمہارے پاس اللہ کی طرف سے ایک نور آیا۔

کیا جبریل امین علیہ السلام نور ہو کر بشری شکل میں نہیں آتے تھے۔

کبھی مشہور صحابی دحیہ کلبی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شکل میں اور کبھی عام انسانی شکل میں بیشار احادیث شریفہ گواہ ہیں کہ جبریل انسانی لبادے میں آتا تھا۔ تو کیا بشری لبادے کی بنا پر وہ نور نہیں رہے تھے یا نہیں رہتے تھے۔ قرآن پاک میں حضرت جبریل علیہ السلام کے حضرت مریم علیہا السلام کے پاس تشریف لانے کا ذکر تو یوں۔

"فارسلنا الیھا روحنا متمثل لھا بشرا سویا" (مریم..۱۷)

ترجمہ: تو اس کی طرف ہم نے اپنا روحانی بھیجا وہ اس کے سامنے ایک تندرست آدمی کے روپ میں ظاہر ہوا۔

تو کیا حضرت جبریل بشریا سویا بن کر آنے سے نور نہیں رہے؟ نہیں، ایسا ہرگز نہیں۔ بشریا سویا تو محض لبادہ ہے۔ یقیناً اللہ کا پیارا حبیب، انبیائے کرام علیہم السلام کا امام، وجہ تخلیق روزگار، کشتی انسانیت کا ناخدا، حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کا لخت جگر اور سیدہ آمنہ کا نور نظر نور ہے۔ اور بشری لبادے سے اس کی نورانی حقیقت میں کوئی فرق بھی نہیں پڑا۔

قرآن پاک نے فرمایا۔

"قل انما انا بشر مثلکم یوحٰی الی انمآ الھکم الہ واحد" (الکھف...۱۱۰)

ترجمہ: تم فرماؤ ظاہر صورت بشری میں تو میں تم جیسا ہوں مجھے وحی آتی ہے کہ تمہارا معبود ایک معبود ہے۔

مثلکم 'تم جیسا' کس اعتبار سے، بشر چہرے، بشرے میں، یا جیسا کہ اعلیٰحضرت نے فرمایا ظاہری صورت بشری میں، مگر کیا ساری بات اسی مشابہت تک محدود ہے نہیں، بلکہ یوحی الی میری طرف وحی کی جاتی ہے اور وحی کرنے سے ظاہر ہو گیا کہ میری حقیقت اور ہے۔ میں 'وحی' کے قابل ہوں، دوسرے وحی کے قابل نہیں۔

"اللہ اعلم حیث یجعل رسالتہ" (الانعام..۱۲۴)

ترجمہ: اللہ خوب جانتا ہے جہاں اپنی رسالت رکھے۔

ہر شخص اس 'وحی' کا متحمل کہاں

"لو انزلنا ھذا القران علی جبل لرئیتہ خاشعا متصدعا من خشیۃ اللہ" (الحشر...۲۱)

ترجمہ: اگر ہم یہ قرآن کسی پہاڑ پر اتارتے تو ضرور اسے دیکھتا جھکا ہوا پاش پاش ہوتا اللہ کے خوف سے

دوسرے مقام پر فرمایا۔

"انا سنلقی علیک قولا ثقیلا" (المزمل...۵)

ترجمہ: بیشک عنقریب ہم تم پر ایک بھاری بات ڈالیں گے۔

وحی کے بوجھ کو برداشت کرنا محض بشری طاقت سے ممکن نہیں، یہاں تو پہاڑ ریزہ ریزہ ہو جاتے ہیں۔ چنانچہ اللہ کا کلام نور کسی ایسی شخصیت پر ہی اتر سکتا ہے جو سراپا نور ہو، ایسی نورانی قوتوں کا حامل ہو کہ سورج اس کے ہاتھ اٹھانے سے پھر جائے، چاند اس کی انگلی کے اشارے سے چر جائے، پہاڑ پر قدم رکھ دے تو ہلنے لگے، سیر کا ارادہ ہو برق بلکہ براق سواری کے لئے حاضر ہو، خادم کی ضرورت ہو تو سب فرشتوں میں سب سے زیادہ تیز رفتار روح الامین آگے آگے دوڑتا ہو، پھر ایک وقت بھی آجائے

کہ سواری بھی ہمت ہار جائے اور خادم جل جانے کا خطرہ محسوس کرے، تو خود تنہا ہی آگے بڑھے، پہلے سواری کی تیزی رفتار تھی اور خادم کی، کہ سدرۃ المنتہٰی تک پہنچے، اب اپنی رفتار ہے اور اس کا کیا عالم ہے۔

اس کا اندازہ کوئی نہیں کر سکتا، نہ جبریل نہ کوئی دوسرا رسول مقرب یوں سمجھئے رب تعالیٰ کُن یعنی ہو جا فرمائے تو سب کچھ ہو جائے، زمین بن جائے آسمان بن جائے، یعنی جس جس کو بھی بنانے کا ارادہ فرمائے کُن فرمادے یعنی وہ کُن (ہو جا) فرمائے اور جو کچھ بنانا چاہے، بن جائے۔ اب اپنے محبوب عالم ﷺ کو اُدْنُ یَا اَحْمدُ، اُدْنُ یَا مُحَمَّدُ، ادن یا خیر البریۃ قریب آ اے احمد مجتبیٰ، قریب آ اے محمد مصطفیٰ، قریب آ اے بہترین کائنات، بالفاظ اعلیحضرت

بڑھ اے محمد ، قریں ہو احمد، قریب آ سرورِ مجد
نثار جاؤں وہ کیا ندا تھی ، وہ کیا سماں تھا ، وہ کیا مزے تھے

جس کے ایک بار کن کہنے سے جو سب کچھ بن جائے جس کا ارادہ ہو، ایک بار ادن (قریب آ) کہنے سے قرب کی کتنی منزلیں طے ہو گئی ہونگی، یہ ہے اس سراپا نور کی رفتار، کیوں نہ ہو اصل نور، جان نور، اول و آخر نور یہی ہے۔ باقی سب کے لئے لفظ مجازاً استعمال ہوا ہے یا استعارتاً۔ مثلاً شیر، کا لفظ موضوع ہوا ہے یعنی ایک جانور کے لئے جو جنگل کا بادشاہ ہے۔ اس کے لئے لفظ شیر بولیں گے تو حقیقی معنوں میں یا حقیقت کے طور پر ہو گا، اگر کسی انسان کو اس کی بہادری کی بناء پر شیر کہہ لیں تو یہ حقیقت نہیں مجاز ہے۔ اور استعارہ کر کے ایسا کہہ رہے ہیں۔ لفظ نور، اصل میں وضع ہوا ہے حضور ﷺ کیلئے جب اس لفظ کو حقیقی معنیٰ میں استعمال کریں گے تو مراد حضور ﷺ کی ذات گرامی بھی ہو گی۔ چاند سورج کو اگر نور کہہ دیں تو مجاز کے یا استعارے کے طور پر ہے، تفصیل اعلیحضرت قدس سرہ کے عاشقانہ اشعار میں دیکھئے۔

وضع واضع میں تیری صورت ہے معنیٰ نور کا
یوں مجازاً چاہیں جس کو کہہ دیں کلمہ نور کا
انبیاء اجزاء میں تو بالکل ہے جملہ نور کا
اس علاقے سے ہے اُن پر نام سچا نور کا
یہ جو مہرو پر ہے اطلاق آتا نور کا
بھیک تیرے نام کی ہے ، استعارہ نور کا

پھر آیئے اس سراپا نور ﷺ کی آمد کی طرف، یہ کس شان اور حیثیت سے تشریف لائے

"قد جآء کم من الله نور"

ترجمہ: بے شک تمہارے پاس اللہ کی طرف سے نور آیا

تو کیا محض تشریف لاتے وقت نور بنائے گئے۔

پہلے کیا تھے؟ پہلے بھی نور ہی تھے اسی لئے تو "نور" کی حیثیت سے آ رہے ہیں کب سے نور ہیں، جب سے پیدا ہوئے ہیں۔ دنیا میں تشریف لانا ان کی ولادت باسعادت ہے۔ پیدا پہلے ہوئے تھے، جب پیدا ہوئے اس وقت کیا تھے؟ نور! خود فرماتے ہیں

"اول ما خلق الله نوری"

ترجمہ: اللہ نے سب سے پہلے میرے نور کو پیدا کیا (مکتوبات امام ربانی، مدارج نبوت)

نورانیت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم

علامہ الحاج
حافظ
شفقات احمد
گیلانی

☆☆☆

"قد جاء کم من اللہ نور و کتاب مبین" (مائدۃ ۱۵)

برادران اسلام! اللہ تعالیٰ اس آیت کریمہ میں ارشاد فرماتے ہیں" بے شک آیا تمہارے پاس اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک بلند شان والا نور" اب قابل غور بات یہ ہے کہ اس آیت میں جو لفظ "نور" ہے اس نور سے کون مراد ہے؟ اولاً تو اس کے ماقبل کو دیکھنا چاہئے کہ پہلے کس کا ذکر چل رہا ہے۔ اس آیت کے ابتدائی الفاظ میں اہل کتاب کو فرمایا گیا ہے، "قد جاء کم رسولنا" یعنی تحقیق آیا تمہارے پاس ہمارا رسول" لہذا اقرین قیاس یہی ہے کہ آگے آنے والے لفظ "نور" سے مراد بھی جناب محمد مصطفےٰ ﷺ کو لیا جائے۔

جناب عبداللہ بن عباس کا فیصلہ:

امام المفسرین تاج المحققین عم زاد مصطفےٰ فیض یافتہ صحبت حبیب کبریا جناب عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما اس آیت کی تفسیر بیان فرماتے ہوئے فرماتے ہیں" **قد جاء کم من اللہ نور**" یعنی محمد ﷺ "تفسیر ابن عباس ص ۷۲ اس آیت میں نور سے مراد جناب محمد مصطفےٰ ﷺ کی ذات والا صفات ہے۔

صحابہ کی اتباع کرنے والے پر خدا راضی:

ارشاد خداوندی ہے!

"والذین اتبعوھم باحسان رضی اللہ عنھم ورضوا عنہ واعد لھم جنات تجری تحتھا الانھار خالدین فیھا ابداً ذالک الفوز العظیم"

(توبہ............۱۰۰)

ترجمہ: اور وہ لوگ جنھوں نے بھلائی کے ساتھ ان (صحابہ کرام) کی اتباع کی اللہ ان سے راضی ہو گیا، اور وہ اللہ پر راضی ہوتے اور ان کیلئے جنت تیار کی گئی ہے جس کے نیچے نہریں چلتی ہیں ہمیشہ رہیں گے اس میں، یہ بہت بڑی کامیابی ہے،"

اس آیت مبارکہ میں بالکل صاف صاف اعلان کر دیا گیا ہے کہ صحابہ کرام کی اتباع کرنے والے پر اللہ راضی ہے او وہ جنتی ہے اور بڑی کامیابی والا ہے۔ لہذا" **ما انا علیہ واصحابی**" (ترمذی ج ۲ ص ۸۹، مشکوٰۃ ص ۲۲، باختلاف الفاظ مسند امام احمد وابوداؤد) پر ایمان رکھنے والے ہر مسلمان پر لازم ہے قرآن کریم کی اس آیت میں صحابی رسول کی اتباع کرتے ہوئے نور سے مراد جناب محمد مصطفےٰ علیہ التحیۃ والثناء کو مانے۔

دیگر مفسرین کرام کی تائید:

صحابی رسول جناب ابن عباس رضی اللہ عنہ کی تائید کرتے ہوئے اکثر مفسرین کرام اور محدثین کرام نے اس آیت جلیلہ میں لفظ "نور" سے ذات محمد مصطفےٰ ﷺ کو مراد لیا ہے۔ چند حوالہ جات پیش ہیں، (تفسیر کبیر ج ۳ ص ۳۹۵ تفسیر روح البیان ج ۸ ص ۳۷۰، تفسیر روح المعانی ج ۶ ص ۹۷، تفسیر خازن ج ا ص ۴۴۷، تفسیر ابن جریر ج ۶ ص ۹۲ تفسیر مظہری ج ۳ ص ۶۷، تفسیر بیضاوی ص ۹۷، تفسیر مدرک ج ا ص ۲۰۶، تفسیر معالم التنزیل ج ۳ ص ۲۳، تفسیر صاوی ج ا ص ۲۵۸، تفسیر حسینی ج اص ۱۴۰، تفسیر ابوسعود ج ۴ ص ۳۶، تفسیر سراج المنیر ص ۳۶، تفسیر ثنائی مائدہ ص ۱۱، تفسیر تبویب القرآن ص ۱۴۹، تفسیر محمدی ج ۲ ص ۲۳، تفسیر قاسمی ج ۶ ص ۱۹۲۱، تفسیر

جلالین ص ۹۷، کتاب الشفاء ج ا ص ۱۷، شرح شفا علی قاری ج ا ص ۵۰۵، شرح شفا خفاجی ج ۲ ص ۴۴۸، موضوعات کبیر ص ۱۰۳، جواہر البحار ج ۱ ص ۱۳، الحدیقۃ الندیہ ج ا ص ۵۴، مدراج النبوت ج ا ص ۲۳، ج ۲ ص ۶۱۳، ترجمان القرآن بھوپالی ج ا ص ۸۵۷، تفسیر عثمانی ص ۱۴۶، تفسیر معارف القرآن کاندھلوی ج ۴ ص ۴۲، النوافع العطریہ ص ۱۹، محاسن التاویل ج ۶ ص ۱۹۲۱، کتاالتوسل ص ۲۲، امداد السلوک ص ۸۵، رحمۃ للعالمین ج ۳ ص ۱۹۳، شرح اسماالحسنیٰ ص ۱۵۱، انسان کی کامیابی ص ۸، اشرف الواعظ ص ۱۴۸، اور دیگر بہت سی سلف و خلف کی کتب میں موجود ہے کہ اس آیت میں نور سے حضور کی ذات مبارکہ ہی مراد ہے۔ اللہ تعالیٰ ماننے کی توفیق دے۔ آمین

اولیت نور محمدی: مندرجہ بالا آیت میں فرمایا "جاءکم" یعنی آیا تمہارے پاس" آیا کے الفاظ اس بات کی خبر دے رہے ہیں کہ یہ آج ظہور فرمانے والا نور، آج کی تخلیق نہیں بلکہ تمہارے پاس تشریف لانے سے پہلے اپنے رب کے حضور میں موجود تھا جو نسلاً بعد نسلٍ منتقل ہوتا ہوا آغوش آمنہ میں پہنچا۔

حضور نور اللہ ہیں: ارشاد خداوندی ہے!

"یریدون ان یطفوا نور اللہ بافواھھم ویابی اللہ الا ان یتم نورہ ولو کرہ الکافرون" (توبہ.....۳۲)

ترجمہ: وہ (کافر) چاہتے ہیں کہ اللہ کے نور کو اپنے منہ (سازشوں) سے بجھا دیں اور اللہ تعالیٰ ایسا نہ ہونے دے گا بلکہ اللہ تعالیٰ اپنے نور کو پورا فرمائے گا۔ اگر چہ یہ کافروں کو برا لگے"۔ اس آیت کی تفسیر میں مفسرین کرام فرماتے ہیں۔

"اخراج بن ابی ھاتم عن ضحاک رضی اللہ عنہ فی قلہ یردیون ان یطفو انور اللہ الخ یقول یریدون ان یھلکوا محمد ﷺ"

(تفسیر در منشور ج ۳ ص ۲۳۱، تفسیر کشاف ج ۲ ص ۱۴۹، تفسیر نسفی ج ۲ ص ۹۴، تفسیر ابن جریر ۲۸ ص ۵۳)

اس آیت میں "وہ ارادہ کرتے ہیں کہ اللہ کے نور کو بجھا دیں" کے الفاظ سے مراد ہے کہ کافروں کا ارادہ ہے کہ وہ معاذ اللہ حضور کو شہید کر دیں۔ یہاں یہ بات یاد رکھنے والی ہے کہ اس آیت میں حضور کو "نور اللہ" اللہ کا نور فرمایا گیا ہے۔ بعض لوگ اس لفظ پر بڑا شور کرتے ہیں انہیں بھی قرآن پاک کے فرمان کو مان کر حضور کو بسر و چشم "نور اللہ" مان لینا چاہئے۔

آپ نور من نور اللہ ہیں:

امام احمد بن حنبل، امام مسلم اور امام بخاری کے استاذ، امام مالک کے شاگرد مشہور و معتبر محدث امام عبدالرزاق اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں کہ جناب جابر نے بارگاہ محبوبی میں عرض کی یارسول اللہ ارشاد فرمائیں کہ اللہ جل شانہ نے تمام کائنات سے پہلے کونسی چیز پیدا فرمائی تھی۔ آپ نے ارشاد فرمایا۔

"یا جابر ان اللہ تعالیٰ خلق قبل الاشیاء نور نبیک من نورہ......... ولم یکن فی ذالک الوقت نوح ولا قلم ولا جنۃ ولا نار ولا ملک ولا شمس ولا ارض ولا شمس ولا قمر ولا جن ولا انس" (فتوحات احمدیہ ص ۵ مدح خیر البریہ ص ۳۵، انوار محمدیہ حدیقہ ص ۵۱ عصیدہ الشہدہ ص ۱۰۰، بیان المیعاد ابن جوزی ص ۴۵ شرح قصیدہ بردہ شیخ زادہ ص ۹۸، اربعین نبھانی ص ۸۶، نعمۃ کبریٰ ص ۷، نشر الطیب ص ۶، حیات رحمۃ للعالمین ص ۲۷، روح المعانی ج ۱۷ ص ۲۶۲، تفسیر صاوی ج ا ص ۱۵۴، زرقانی ج ا ص ۴۶، الابریز ص ۲۶۲، مکتوبات شریف دفتر سوم ص ۵۷ نمبر ۱۰۰، عمدۃ المایہ ج ۲ ص ۲۶۲، تفسیر صاوی ج ا ص ۱۵۴، جواہر البحار، مواہب لدنیہ ج ا ص ۹ سیرۃ حلبیہ ج ا ص ۳۷، مطالع المسرات ص ۲۱۰، حجۃ اللہ علی العالمین ص ۲۸ وغیرہ۔

اول ما خلق اللہ نوری: جناب رسول کریم علیہ التحیۃ والتسلیم نے ایک اور مقام پر بھی اپنے نور مبارک کی تخلیق کا تمام کائنات سے مقدم ہونا ان الفاظ کے ساتھ بیان فرمایا ہے۔

"اول ما خلق اللہ نوری"

ترجمہ: یعنی اللہ تعالیٰ نے تمام کائنات کی تخلیق سے پہلے میرے نور کو پیدا فرمایا تھا۔

موضوعات کبیر ص ۸۶، شرح بدالامالی ص ۳۵، زرقانی ج ا ص ۳۷، فتاویٰ رشیدیہ ص ۸۱، مدارج النبوۃ ص ۲ نمبر ۲، انفاس رحیمیہ ص ۱۳، الشہاب الثاقب ص ۵۰، یکروزی ص ۱۱، جواہر البحار ج ۲ ص ۲۰۵، تفسیر نیشا پوری ج ۸ ص ۵۵، تفسیر عرائس البیان ج ا ص ۲۳۸، تفسیر روح البیان ج ا ص ۵۴۸، مطالع المسرات ص ص ۲۷، الحدیث ۱۲ اپریل ۱۹۰۹ء عطر الوردہ ص ۲۴، تفسیر حسینی ص ۱۴، الابریز ج ا ص ۲۶۶، الدلالات الواضحات ص ۱۸ افضل الصلوت ص ۲۰۵، آفتاب نبوت از قاری طیب ص ۳۱۹، عقائد اسلام از ادریس کاندھلوی ص ۷۷۔

حضور پہلے مسلمان:

قرآن حکیم نے جناب رسول ﷺ کا فرمان وضاحت نشان بیان فرمایا ہے۔ الفاظ قرآنی ہیں۔

" امرت ان اکون اول من اسلام" (انعام ۱۴)

دوسرے مقام پر الفاظ ہیں۔

" امرت لان اکون اول المسلمین (زمر ۱۲)

یعنی مجھے اللہ جل مجدہ کی طرف سے حکم دیا گیا کہ میں سب سے پہلے اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات اور احکام) پر ایمان لاؤں" چنانچہ حکم خداوندی پر لبیک کہتے ہوئے آپ نے کائنات سے پہلے بارگاہ ربوبیت میں سرنیاز جھکا دیا، قرآن کریم بیان فرماتا ہے

" وانا اول المسلمین" انعام......۱۶۴)

فرمایا میں سب سے پہلے اللہ تعالیٰ کے سامنے سجدہ ریز ہونے والا ہوں

یہ آیات مقدسہ پکار پکار کر کہہ رہی ہیں کہ نور مصطفےٰ علیہ التحیۃ والثناء تمام کائنات سے پہلے بارگاہ خداوندی میں موجود تھا اسی لئے نور محمد مصطفےٰ ﷺ نے حکم خداوندی پر لبیک کہتے ہوئے تمام کائنات سے پہلے خدا کے حضور اپنا سر جھکا دیا اور اول المسلمین کے مقام رفعت نشان پر فائز ہوئے اور تمام کائنات سے پہلے عبادت خداوندی بجالا کے تمام کائنات سے زیادہ عبادت کر کے "لواء الحمد یومئذ بیدی " (ترمذی ج ۲، دارمی ص ۱۶، مشکوٰۃ ص ۵۰۶) کا اعلان کر کے سید ولد آدم کے مستحق قرار پائے۔ اسی طرح جب کافروں نے اللہ تعالیٰ کیلئے اولاد کا ہونا قرار دیا۔

یہودیوں نے کہا عزیز ی خدا کا بیٹا ہے (توبہ......۳۰)

عیسائیوں نے کہا عیسیٰ خدا کا بیٹا ہے (مائدہ......۱۷)

بعض نے کہا فرشتے خدا کی اولاد ہیں۔ (انبیاء......۲۶)

تو ان کافروں کے اس کفریہ عقیدہ کا رد کرتے ہوئے حکم خداوندی کے مطابق آپ نے جو بیان فرمایا قرآن حکیم اسے یوں بیان فرماتا ہے۔

"قل ان کان للرحمان ولد فانا اول العابدین" (زخرف......۸۱)

اے پیارے محبوب فرمادو اے کافرو اگر (فرض محال) اللہ تعالیٰ کا کوئی بیٹا ہوتا تو میں (تم سب سے) پہلے اس کی بندگی کرتا۔"

اس آیت میں بھی رب العزت نے حضور کی اولیت کا تذکرہ فرمایا ہے کیونکہ آپ فرمارہے ہیں جب ساری کائنات سے پہلے میں ہی موجود تھا اور اللہ تعالیٰ کے حضور بھی سب سے پہلے میں نے ہی سرنیاز جھکایا تھا تو اگر بالفرض والمحال اللہ تعالیٰ کا کوئی بیٹا ہوتا تو میں اس کی بھی سب سے پہلے بندگی کرتا۔

اولیت کے انکار کا نقصان:

اگر نور محمدی کی اولیت کا انکار کیا جائے تو ایمان کو خطرہ لاحق ہوجاتا ہے، کیونکہ حضور کے ظہور ظاہری سے پہلے فرشتے، حور غلمان، جنات، جناب آدم اور تمام اولاد آدم، نباتات، جمادات، حیوانات، چاند سورج، ستارے، عرش، فرش، لوح اور قلم وغیرہ ھم تمام مخلوق موجود تھی اور اللہ کا کلام گواہی دیتا ہے کہ " وان من شی الا یسبح بحمدہ" (بنی اسرائیل ۴۴)۔

یعنی کائنات میں کوئی ایسی چیز نہیں جو اللہ تعالیٰ کی تعریف نہ کرتی ہو"

ثابت ہوا کہ جو جو مخلوق جب سے پیدا ہوئی ہے اللہ تعالیٰ کی حمد بیان کر رہی ہے، اب اگر آغوش آمنہ (جو کہ لباس بشری میں آپ کا ظہور ظاہری ہے) سے پہلے حضور کی ذات کا وجود تسلیم نہ کیا جائے تو آپ کی قرآن میں بیان کردہ شان " اول المسلمین" مانیں تو پھر آپ کے ظہور ظاہری سے پہلے مخلوق کے اسلام اور ایمان کا انکار کرنا پڑے گا کیونکہ آپ سے پہلے تمام مخلق آپ سے پہلے ایمان لا چکی ہے۔ اور اگر حضور کی ذات والا صفات کو آغوش آمنہ میں ہی اول المسلمین مانیں تو آپ کے ظہور ظاہری سے پہلے مخلوق کے اسلام اور ایمان کا انکار کرنا پڑے گا۔ (جو کہ بالکل نہیں کیا جاسکتا) کیونکہ آپ اول المسلمین تب ہی ہوسکتے ہیں جب آپ سے پہلے پوری مخلوق میں کوئی اللہ کا نام لینے والا نہ ہو۔ اس پریشانی کا ایک ہی حل ہے کہ حضور پرنور ﷺ کی تخلیق ازلی یعنی نور مصطفےٰ ﷺ علیہ التحیۃ والثناء کا تخلیق ہونا تمام کائنات سے پہلے مان لیا جائے تو اس صورت میں آپ بشکل نور بارگاہ الوہیت میں سجدہ ریز ہو کر " پہلے مسلمان" کے مقام پر فائز ہوجائیں اور باقی تمام کائنات آپ ﷺ کے نقش قدم پر چلتے ہوئے اللہ تعالیٰ کے حضور بصد عجز و نیاز گردن جھکادے۔

آپ تمام جہانوں کیلئے رحمت:

ارشاد خداوندی ہے۔

"وما ارسلنک الا رحمة للعالمین " (انبیاء......۱۰۷)

ترجمہ: اور اے محبوب ﷺ ہم نے آپ کو نہیں بھیجا مگر تمام جہانوں کیلئے

رحمت بنا کر" ایک اور مقام پر ارشاد ہوتا ہے۔

" لیکون للعالمین نذیراً " (فرقان......۱)

ترجمہ: تا کہ ہو وہ رسول تمام جہانوں کو ڈر سنانے والا"

ان آیات مقدسہ میں اللہ تعالیٰ نے حضور کو عالمین کیلئے رحمت اور نذیر فرمایا ہے۔لفظ عالمین کی وسعت کا اندازہ کرنا ہو تو یہ آیت تلاوت فرمائیں۔

" الحمد لله رب العالمین " (فاتحہ......۱)

ترجمہ: تمام تعریفیں اس اللہ وحدہٗ لاشریک کے لائق ہیں جو پالنے والا ہے تمام جہانوں کا"

مفسر قرآن علامہ آلوسی رحمۃ اللہ فرماتے ہیں۔

" المراد بالعالمین جمیع الخلق فان العالم ما سوی الله تعالیٰ و صفاته " (روح المعانی نمبر۷ اص ۱۰۵)

ترجمہ: یعنی اللہ تعالیٰ اور اس کی صفات کے علاوہ کائنات میں جو کچھ بھی ہے وہ سب کچھ عالمین میں داخل ہے۔ مطلب یہ ہوا کہ عرش وفرش، لوح وقلم، حور وغلمان، آفتاب و ماہتاب، جنات، آدم اور تمام بنی آدم، چرند، پرند، نباتات و جمادات، قبر و حشر، جنت و دوزخ ہوا و فضا غرضیکہ جو جو چیز، جو جو جگہ اور جو جو زمانہ اللہ تعالیٰ کی خدائی میں داخل ہے ہر اس چیز جگہ اور زمانے کیلئے حضور رحمت اور نذیر ہیں۔"رحمۃ للعالمین اور نذیر" یہ حضور کی صفتیں ہیں اور آپ ان صفتوں کے موصوف ہیں اور یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ موصوف کا وجود صفت سے پہلے ہوتا ہے، مثلاً کوئی شخص حافظ قرآن ہے تو حافظ ہونا اس کی صفت ہے اور حافظ بننے والا وہ شخص موصوف ہے۔اب یہ بات محتاج بیان نہیں کہ وہ شخص پہلے موجود تھا اور بعد میں حافظ بنا، اسی طرح جناب محمد مصطفےٰ ﷺ کی ذات بابرکات موصوف ہے اور آپ کا رحمت اور نذیر ہونا یہ آپ کی صفت ہے۔لہٰذا حضور تمام جہانوں کو اپنے دامن رحمت میں تب ہی چھپا سکتے ہیں جبکہ آپ تمام جہانوں سے پہلے موجود ہوں، اگر آپ کی رحمت کو آپ کے ظہور بشری کے بعد کیلئے مانا جائے تو پھر آپ کے ظہور ظاہری سے پہلے کی تمام مخلوق آپ کی رحمت سے محروم رہ جائے گی، اس طرح متعدد آیات قرآنیہ کا انکار ہو گا اور قرآن کریم کے ایک حرف کا انکار کرنے والا کافر مطلق، خارج از اسلام اور وہ مردود ہمیشہ ہمیشہ جہنم میں جلنے والا ہے (نعوذ باللہ من ذالک) الحمد للہ رب العالمین۔قرآن حکیم اور احادیث مقدسہ پر مکمل یقین رکھتے ہوئے ہمارا عقیدہ ہے کہ حضور تمام کائنات سے پہلے اپنے رب کے حضور میں ایک نور کی شکل میں حاضر اور عابد تھے اور اس دن سے لیکر جبکہ ابھی دن بھی نہیں بنا تھا آپ اللہ تعالیٰ کی ساری مخلوق کو اپنی رحمت لامنتہا سے نواز رہے ہیں۔

میثاق میں آپ کی اولیت:

اللہ جل جلالہ کو اپنے پیارے محبوب ﷺ کی ہر شان اور مقام کا چرچا کرنا اتنا پیارا ہے کہ ایک ایک شان کو کئی کئی مرتبہ اور کئی کئی طریقوں سے بیان فرماتے ہیں چنانچہ اپنے پیارے محبوب کی شان اولیت کو اکیسویں پارہ میں ایک اور انداز سے بیان فرمایا ہے۔ارشاد ہوتا ہے۔

"واذ اخذنا من النبیین میثاقهم ومنک ومن نوح وابراهیم " الخ (احزاب......۷)

ترجمہ: یعنی جب لیا ہم نے انبیاء کرام سے وعدہ اور اے پیارے محبوب ﷺ (سب سے پہلے) آپ سے عہد لیا اور نوح سے اور (پھر) ابراہیم سے عہد لیا"

اس آیت مبارکہ میں مولائے قدوس نے انبیاء کرام سے جو ان کے فرائض منصبی کو ادا کرنے کا وعدہ لیا گیا اس میں بھی پیارے محبوب کی شان اولیت کا لحاظ رکھا۔ آپ کے ذکر کو دیگر انبیاء کرام کے ذکر سے مقدم فرمایا۔اس کی شرح علامہ بغوی حدیث مصطفےٰ کی روشنی میں بیان فرماتے ہیں۔آپ فرماتے ہیں۔'

' وقدم النبی ﷺ بالذکر بما اخبرنا عن ابی هریرة قال ان رسول الله ﷺ قال کنت اول النبیین فی الخلق وآخرهم فی البعث"

(معالم التنزیل نمبر۵ ص ۱۷۲، ابو نعیم نمبر۱ ص ۶، خصائص کبریٰ نمبر۱ ص ۳ تفسیر در منثور نمبر۵ ص ۱۸۴، تفسیر مظہری نمبر۵ ص ۲۰۷، نمبر۷ ص ۱۷۲)

اور اس آیت میں میثاق میں اللہ تعالیٰ نے دیگر انبیاء کرام سے آپ کا ذکر اس لئے مقدم فرمایا ہے کہ اس کے متعلق صحیح مرفوع حدیث موجود ہے جناب ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ جناب رسول مقبول ﷺ نے ارشاد فرمایا میں پیدا ہونے میں سب سے پہلا ہوں اور دنیا میں تشریف لانے میں (انبیاء کرام میں سے سب) سے آخری ہوں" مفسر قرآن جناب عبداللہ بن عباس (صحابی رسول مقبول ﷺ نے ارشاد فرمایا میں پیدا ہونے میں سب سے پہلا ہوں اور دنیا میں تشریف لانے میں (انبیاء کرام میں سے) سب سے آخری ہوں"

مفسر قرآن جناب عبداللہ بن عباس (صحابی رسول و عم زاد مصطفےٰ) رضی اللہ عنہما بیان فرماتے ہیں۔" قیل لرسول الله ﷺ متیٰ اخذ میثاقک قال و آدم بین الروح والجسد"، تفسیر در منثور

نمبر۵ص۱۸۴) جناب سرور کائنات سے عرض کی گئی یارسول اللہ ﷺ آپ سے اللہ تعالیٰ نے کب وعدہ لیا تھا، آپ نے فرمایا اس وقت جبکہ جناب آدم علیہ السلام کو بھی ابھی پیدا نہیں کیا گیا تھا، نیز فرمایا "کنت نبیا! و آدم بین الروح و الجسد" (ترمذی نمبرص۲۰۱، مشکوٰۃ ص۵۱۳، تفسیر در منثور نمبر۵ص ۱۸۴، بیہقی شریف نمبر۱ص۲۷، قاصد حسنہ ص۳۲۷، آفتاب نبوت ص۱۱۰، کتاب الوفا نمبر۱ص۳۳، تفسیر عرائس البیان نمبر۱ص۲۳۸، جواہر البحار نمبر۱ص۳۹۱، مدارج النبوت نمبر۲ص۳، انوار محمدیہ نبھانی ص۷، خصائص کبریٰ نمبر۱ص۲، مواہب لدنیہ مبر۱ص۶، زرقانی نمبر۱ص۳۹، نشر الطیب ص۶، متدرک نمبر۲ص۴۱۸...... اشعۃ اللمعات نمبر۴ص۴۹۹، تفسیر محمدی نمبر۱ص۱۰۶ وغیرھم۔ نیز آپ نے یہ بھی اعلان فرمادیا تھا، **"انا اول المسلمین عند الا یجاد لا مر کن"** (تفسیر نیشا پوری نمبر۸ص۵۵ برحاشیہ ابن جریر) یعنی جب اللہ تعالیٰ نے "کن" کا حکم فرما کے کائنات کو پیدا فرمایا تھا اس وقت (چونکہ نور محمدی پہلے سے موجود تھا) سب کائنات سے پہلے میں نے ہی اللہ تعالیٰ کی قدرت پر ایمان لایا تھا، مختصر یہ ہے کہ نور محمد مصطفیٰ علیہ التحیۃ والثناء کو اللہ جل شانہ نے تمام کائنات سے پہلے اپنے نور کے فیض سے اس وقت پیدا فرمایا جب کہ خدا کے علاوہ کوئی دوسری ذات موجود نہیں تھی اور نور محمدی نے پیدا ہوتے ہیں بارگاہ الوہیت میں بصد عجز و نیاز سر جھکا کر سبحان ربی الاعلیٰ فرمایا اور اس طرح پوری کائنات سے پہلے خدا کی ذات پر ایمان لاکر "اول المسلمین" کے مقام پر فائز ہوئے اور اسی لئے یثاق میں بھی آپ کو تمام انبیاء پر سبقت حاصل ہے۔ اللہ تعالیٰ ہر کسی کو حق سمجھنے، اس کو ماننے اور اس کے مطابق عقیدہ رکھنے اور اس پر قائم رہنے کی توفیق عطا فرمائے تاکہ روز محشر اللہ اور رسول کے سامنے شرمندہ نہ ہونا پڑے (آمین)

ایک شبہ اور اس کا ازالہ:

جب نور محمدی کی اولیت کے متعلق قرآن پاک کی آیات مقدسہ اور احادیث مبارکہ پیش کیجاتی ہیں تو اکثر معاندین حضرات اپنے خود ساختہ عقیدہ کو سنبھالنے کیلئے ایک حدیث کا سہارا لیتے ہیں، کہتے ہیں کہ "حدیث شریف میں آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے قلم کو پیدا فرمایا تھا پھر نور محمدی سب سے پہلے کیسے پیدا ہوگیا" یہ ان حضرات کی چوٹی کی دلیل ہے۔ سچ یہ ہے کہ ڈوبتے کو تنکے کا سہارا بھی کافی محسوس ہوتا ہے چاہے وہ تنکا اس کو ڈوبنے سے نہ بچا سکے۔ آیئے اس اعتراض کا جواب دینے کیلئے اسی پیش کردہ حدیث پر غور کرتے ہیں، اگر انصاف پسند ہوتے تو پوری حدیث نقل کرتے مگر پوری حدیث نقل نہ کرنا ان کی مجبوری ہے کیونکہ اگر پوری حدیث نقل کردی جاتی تو اسی حدیث سے ان کا خود ساختہ عقیدہ خاک میں مل جاتا۔ پوری حدیث اس طرح ہے" **ان اول ما خلق لله القلم فقال اکتب قال ما اکتب قا اکتب القدر فکتب ما کان و ما هوا کا ئن الی الابد** (ترمذی شریف ج۲ص۳۸)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ نے نور محمدی کے علاوہ باقی چیزوں سے) پہلے قلم کو پیدا فرمایا اور فرمایا لکھ۔ قلم نے عرض کیا مولا کیا لکھوں، اللہ تعالیٰ نے فرمایا کائنات کی تقدیر لکھ۔ پس قلم نے لکھا جو اس نے پہلے ہو چکا تھا اور جو اس کے بعد ابد تک ہونے والا تھا، کیوں جناب کچھ آئی سمجھ شریف میں بات "ما کان" کے الفاظ پر غور فرمائیں۔ کان ماضی ہے یعنی گزرا ہوا زمانہ تو معلوم ہوا قلم کی پیدائش سے پہلے کوئی چیز موجود تھی اور وہ محمد مصطفیٰ ﷺ کا نور تھا۔ حوالہ جات تو کافی ہیں لیکن جگہ کی کمی کی وجہ سے صرف دو حوالے پیش خدمت ہیں پڑھیں اور خدا توفیق دے تو ایمان بھی لے آئیں اور اپنی عاقبت کو سنواریں۔

شیخ محقق بالاتفاق شیخ عبدالحق محدث دہلوی:

محقق بالاتفاق علی الطلاق جناب شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں" حدیث اول ماخلق اللہ القلم، قلم گفت چہ نویسم! گفت بنویس ما کان و ما یکون الی الابد پس معلوم شد کہ پیش از خلق کا تنے بودہ است و گفتہ اند کہ آں عرش و کرسی وارواح است وخلق نور وے ﷺ از اں سابق است و گفتہ اند کہ آں عرش و کرسی وارواح است و بریں وجہ تو اند کہ مراد از ما کان صفات واحوال آں بودہ شد کہ اول دراں عالم ثابت است (مدارج النبوت ج۲ص۲) یعنی جو حدیث میں ہے کہ اول ماخلق اللہ القلم (تو اس کے متعلق وضاحت یہ ہے کہ) قلم نے عرض کیا کیا لکھوں؟ فرمایا لکھ جو کچھ ہو چکا ہے اور جو کچھ آئندہ ابد تک رہے گا، اس سے معلوم ہوا کہ قلم کی پیدائش سے پہلے بھی کائنات میں کچھ موجود تھا۔ علما فرماتے ہیں عرش، کرسی اور ارواح کی تخلیق سے پہلے حضور اکرم ﷺ کا نور مبارک عالم ظہور میں آیا اس تقدیر پر ہوسکتا ہے"ما کان" مراد نور مصطفوی کے احوال وصفات ہوں کیونکہ سارے جہان سے نور مصطفوی کی اولیت ثابت ہے" (مدارج النبوت اردو ج۲ص۲)

مولوی اشرف علی تھانوی:

مجدد وہابیہ دیوبندیت مولوی اشرف علی تھانوی یہ حدیث" اے جابر اللہ نے تمام اشیاء سے پہلے تیرے نبی کا نور اپنے نور سے پیدا فرمایا" بیان کرنے کے بعد لکھتے ہیں" اس حدیث سے نور محمدی کا اول الخلق ہونا باولیت حقیقیہ ثابت ہوا کیونکہ جن جن اشیاء کی نسبت روایات میں

حضور ﷺ ایک کافر کی نظر میں

ایم ایم حسن

اولیت کا حکم آیا ہے (مثلاً اول ما خلق الله القلم) ان اشیاء کا نور محمدی سے متاخر ہونا اس حدیث میں منصوص ہے" میرا نہیں بنتا نہ بن اپنا تو بن۔

راما کرشنا راؤ نے جو کہ بھارت کے شہر میسور میں مہارانی آرٹس کالج برائے خواتین میں فلسفہ کے صدر ہیں، نے اپنی کتاب "محمد ﷺ" میں آنحضرت ﷺ کو زبردست خراج عقیدت پیش کیا ہے۔ وہ رقم طراز ہیں کہ حضور ﷺ کا بڑا طرہ امتیاز یہ ہے کہ آپ ﷺ ایک تاریخی شخصیت ہیں۔ آپ کی زندگی کا ہر لمحہ بڑی احتیاط کے ساتھ درج کیا گیا ہے۔ اور آنے والی نسلوں کی ہدایت کے لئے انتہائی جزوی تفصیلات بھی محفوظ کر لی گئی ہیں۔ آپ ﷺ کی زندگی اور آپ ﷺ کے کارنامے پراسرار پردوں میں لپٹے ہوئے نہیں ہیں۔ آپ ﷺ کی ذات کے بارے میں جاننے کے لئے اور صحیح ترین معلومات اخذ کرنے کے لئے کسی شخص کو اس محنت شاقہ کی ضرورت نہیں ہے جو رطب و یابس چھاننے اور حقیقت کا موتی دریافت کرنے کیلئے درکار ہے۔ راما کرشنا راؤ کی دانست میں آنحضرت ﷺ کی زندگی کی سب بڑی کامیابی یہ کہ آپ ﷺ نے تلوار کے استعمال کے بغیر محض اخلاقی قوت کے بل پر اتنی بڑی کامیابی حاصل کی حالانکہ اس وقت عربوں کا یہ حال تھا کہ بات بات پر جنگ و جدل کی نوبت آ جاتی تھی اور برسوں لڑائی جاری رہتی تھی اور ہزاروں قیمتی جانیں ضائع ہو جاتی تھیں۔ آپ ﷺ نے اس وحشت اور بربریت کے دور میں میدان جنگ کو بھی انسانی بنیادوں پر استوار کیا اور بڑی سختی سے یہ ہدایت فرمائی کہ خیانت نہ کی جائے دھوکہ نہ دیا جائے وعدہ خلافی نہ ہو، اعضاء نہ کاٹے جائیں کسی درخت کو نہ گرایا جائے اور نہ جلایا جائے، اور نہ کسی پھلدار پیڑ کو کوئی نقصان پہنچایا جائے راہبوں اور عبادت گاہوں پر ہرگز نہ حملہ کیا جائے۔ آپ ﷺ نے اپنے جانی دشمنوں کے ساتھ جو سلوک کیا وہ آپ ﷺ کے پیروکاروں کے لئے اعلیٰ نمونہ ہے۔

جب مکہ فتح ہوا اور وہ شہر آپ ﷺ کے رحم و کرم پر تھا تو جس شہر نے آپ ﷺ کا پیغام سننے سے انکار کر دیا تھا۔ جس شہر میں آپ ﷺ اور آپ ﷺ کے ساتھیوں پر تشدد ہوتا تھا۔ جس شہر میں آپ ﷺ کا مقاطعہ کیا جاتا رہا تھا اور جس شہر کو چھوڑنے پر آپ ﷺ اور آپ ﷺ کے ساتھی مجبور کر دیئے گئے تھے وہ شہر آج آپ ﷺ کے قدموں میں تھا اور قوانین جنگ کے مطابق آپ ﷺ اپنی ذات اور اپنے ساتھیوں پر کی جانے والی تمام زیادتیوں کا پورا پورا بدلہ لے سکتے تھے مگر اس رحمت عام نے یہ اعلان فرمایا" آج تمہارا کوئی مواخذہ نہیں آج تم سب آزاد ہو۔

عالمی برادری اور انسانی مساوات کے جو اصول آپ ﷺ نے پیش کئے

> آپ ﷺ شہنشاہ عرب تھے، لیکن اپنے جوتے اور معمولی کپڑے خود ہی مرمت کر لیتے تھے اپنی بکریوں کا دودھ دھویا کرتے تھے۔ زمین پر جھاڑو دیتے تھے اور روزمرہ کا کام کر لیا کرتے تھے۔

انہوں نے انسانیت کو معاشرتی طور پر سربلند کرنے میں اہم کردار ادا کیا ہے۔

آپ ﷺ نے ایک خطبہ میں مساوات کا درس دیتے ہوئے یہ فرمایا تھا"

اے لوگو! یادرکھو کہ تمام انسان دو گروہوں میں تقسیم کردیئے گئے ہیں۔ایک وہ جو اللہ سے ڈرنے والے اور متقی ہیں۔وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک زیادہ مرتبے والے ہیں۔دوسرے وہ لوگ جو سرکش اور سنگ دل ہیں۔وہ اللہ تعالیٰ کی نگاہ میں کمتر اور ناپسندیدہ ہیں۔سارے انسان آدم کی اولاد ہیں اور اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو مٹی سے پیدا کیا تھا۔

اللہ کے رسول ﷺ نے معاشرے میں اس قدر زبردست تبدیلی پیدا کر دی کہ عربوں میں شرفاء اور نسلی طور پر معزز لوگوں نے ایک حبشی غلام بلال رضی اللہ عنہ کے تقویٰ اور پارسائی سے مرعوب ہوکر اسے اپنی بیٹیوں کا رشتہ پیش کیا اور خلیفہ ثانی حضرت عمر رضی اللہ عنہ جب بھی بلال رضی اللہ عنہ کو دیکھتے تو احتراماً کھڑے ہوجاتے اور انہیں "سیدنا" کہہ کر مخاطب کرتے۔آپ ﷺ نے عورتوں کو یہ حق دیا کہ وہ اپنے والدین کے ترکے میں سے حصہ حاصل کرسکتی ہیں اور یہ فرمایا کہ "عورتیں مردوں کی جڑواں ہیں عورتوں کے حقوق مقدس ہیں۔دیکھو! عورتوں کو ان کے حقوق ملتے رہیں۔حضور ﷺ کے حالات زندگی کا ایک نمایاں پہلو یہ ہے کہ آپ ﷺ کے جو قریب ترین رشتہ دار تھے یعنی آپ ﷺ کے چچازاد بھائی اور وہ لوگ جو آپ ﷺ کے دوست تھے اور جو آپ ﷺ کو خوب جانتے تھے۔انہوں نے آپ ﷺ کے پیغام کی صداقت کو اور اس حقیقت کو کہ آپ ﷺ پر وحی نازل ہوتی ہے۔بے پس و پیش تسلیم کرلیا تھا یہ سب ذہین، تعلیم یافتہ اور معزز لوگ تھے اور آپ ﷺ کی ذاتی زندگی سے خوب واقف تھے۔اگر یہ حضرات آپ ﷺ کے اندر نعوذ باللہ دھوکہ دہی فریب یا دنیاداری کا معمولی سا عنصر بھی پاتے وہ آپ ﷺ پر ہرگز ایمان نہ لاتے اور آپ ﷺ کا احیائے نو، معاشرتی اصلاح اور روحانی بیداری کا پیغام شروع ہی میں ناکام ہوجاتا۔لیکن اس کے برعکس آپ ﷺ کے ان ساتھیوں نے آپ ﷺ کو دل وجان سے اپنی زندگی کا راہنما تسلیم کرلیا تھا۔انھوں نے آپ ﷺ کی خاطر تمام مشکلات برداشت کیں۔مصائب اٹھائے، بدترین تعذیب کی صورت میں بھی انہوں نے آپ ﷺ پر ایمان برقرار رکھا، آپ ﷺ پر بھروسہ کیا، آپ ﷺ کی اطاعت کی، اگرچہ انہیں شدید ذہنی اذیتیں پہنچائی گئیں، انہیں جلاوطن کیا گیا، ان میں کچھ کو موت کے گھاٹ بھی اتار دیا گیا لیکن ان کے پائے استقامت میں مطلق لغزش نہ آئی۔اگر انہوں نے آپ ﷺ کے کردار میں انتہائی معمولی سا جھول دیکھا ہوتا تو یہ سب ہرگز برداشت نہ کرتے۔آپ کی شخصیت کی ایک جھلک یہ ہے کہ آپ ﷺ جرنیل ہیں، بادشاہ ہیں، سپہ سالار ہیں، تاجر ہیں، داعی ہیں، فلاسفر ہیں، مدبر ہیں، خطیب ہیں، مصلح ہیں۔یتیموں کی پناہ گاہ ہیں، عورتوں کے نجات دہندہ ہیں، جج ہیں، ولی ہیں غرض کہ ہر شعبہ زندگی کے لئے آپ کی حیثیت مثالی ہے۔

فتح مکہ کے بعد دس لاکھ مربع میل سے زائد علاقہ آپ ﷺ کے زیر نگیں آچکا تھا اور یہ کہا جاسکتا ہے کہ آپ ﷺ شہنشاہ عرب تھے، لیکن اپنے جوتے اور معمولی کپڑے خود ہی مرمت کرلیتے تھے۔اپنی بکریوں کا دودھ دھویا کرتے تھے، زمین پر جھاڑو دے دیتے تھے اور روزمرہ کا کام کرلیا کرتے تھے۔حد تو یہ خوش حالی کے اس دور میں بھی اس شہنشاہ عرب کے گھر میں کئی کئی روز تک چولہا نہ جلتا تھا اور آپ ﷺ کی خوراک پانی اور کھجوروں پر مشتمل تھی۔کبھی ایسا بھی ہوتا تھا کہ آپ ﷺ کے گھر والے مسلسل کئی کئی راتیں فاقہ کشی میں گزار دیتے تھے کیونکہ گھر میں شام کو کھانے کی کوئی چیز سائلوں سے بچی نہ ہوتی۔سچ ہے کہ آپ ﷺ نے بادشاہی میں فقیری کی۔

لیکن یہ بڑی حیرانی کی بات ہے کہ راما کرشنا راؤ نے حضور ﷺ کی اور آپ ﷺ کے لائے ہوئے دین کی اتنی تعریف وتوصیف کے باوجود اسلام قبول نہ کیا۔ہوسکتا ہے کہ اس کوتاہی کا سبب عام مسلمانوں کی بے عملی ہو جیسا کہ ایک انگریز خاتون بر جیٹ ہسنی نے اس دین حنیف کو گلے لگاتے ہوئے کہا

" ایک جیتی جاگتی زندہ مثال بھی اسلام کی تبلیغ واشاعت کے لئے مفید ہوسکتی ہے۔اگر ہم اپنی زندگیوں کو لازماً اسی سانچے میں ڈھال لیں جس کا تقاضا قرآن کرتا ہے تو اسلام کو پھیلنے سے کوئی قوت نہیں روک سکتی۔"

بشکریہ نوائے وقت

☆☆☆

حضور امام الانبیاء ﷺ بحیثیتِ محافظِ عصمت انبیاء علیہم السلام

سعید محمد الحسن شاہ

حفاظتِ عصمت انبیاءؑ سیرتِ امام الانبیاء ﷺ کا ایک درخشندہ ترین باب ہے۔ بعثتِ حضور ﷺ اور نزولِ قرآنِ پاک نے شرفِ انبیاءؑ کو اجاگر کرنے میں اہم ترین کردار ادا کیا۔ اس سے نہ صرف انبیائے کرام کی حقانیت پر مہرِ تصدیق ثبت ہوئی بلکہ ان پر لگائے جانے والے بدترین الزامات کو بطریقِ احسن دور کیا۔ دینِ اسلام نے کسی بھی نبی برحق کی شان میں ادنی سی گستاخی بھی کفر قرار دے دی گئی باوجود یہ کہ حضور ﷺ کو خدائے لم یزل نے تمام انبیاء کرامؑ سے زیادہ فضیلت عطا فرمائی جسکا ثبوت اللہ تعالی کی آخری کتاب قرآنِ مجید اور رسولِ عربی ﷺ کے بہت سے ارشاداتِ گرامی میں موجود ہے۔ بایں ہمہ حضور سید عالم ﷺ نے دوسرے انبیاء کرامؑ کے مقابلہ میں اس انداز سے اپنا ذکر کرنے سے منع فرما دیا کہ جس سے دوسرے کسی نبی کی توہین کا شائبہ تک پایا جائے بطور مثال ملاحظہ ہو:

ترجمہ ''حضرت ابی ہریرہ رضی اللہ تعالی عنہ سے مروی ہے کہ (ایک بار) دو آدمیوں کا آپس میں جھگڑا ہوا، ان میں ایک تو مسلمان تھا اور دوسرا یہودی۔ مسلمان نے کہا کہ قسم ہے اس ذات (لازوال) کی کہ جس نے حضرت محمد ﷺ کو تمام جہان والوں پر برگزیدہ کیا۔ یہودی بولا! قسم ہے اس ذات کی کہ جس نے موسیٰؑ کو تمام جہان والوں پر برگزیدہ کیا۔ اس پر مسلمان نے دست درازی کی اور یہودی کے منہ پر طمانچہ دے مارا۔ یہودی حضور نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اپنے اور مسلمان کے درمیان پیش آنے والے واقعہ کا تذکرہ کیا۔ اس پر نبی اکرم ﷺ نے مسلمان کو طلب فرما کر اس واقعہ کے متعلق دریافت فرمایا۔ اس (مسلمان) نے واقعہ گزشتہ کہہ سنایا۔ (یہ سن کر) حضور ﷺ نے فرمایا (تم لوگ) مجھے حضرت موسیٰؑ پر فضیلت نہ دو.... الخ''

ملاحظہ فرمائیے کہ حضور ﷺ نے مسلمان کو منع فرما دیا کہ مجھے موسیٰ کلیم اللہ پر فضیلت نہ دو، حالانکہ خود آپؐ کا ارشادِ گرامی ہے کہ ''میں تمام اولادِ آدمؑ کا سردار ہوں اور یہ فخر نہیں ہے۔ میرے ہاتھ میں لواء الحمد ہوگا اور یہ فخر نہیں ہے کہ آدمؑ اور ان کے سوا دیگر تمام انبیاء کرامؑ میرے جھنڈے کے نیچے ہوں گے''۔ (ترمذی) چونکہ اس جگہ تقابل شان میں تنقیص شانِ موسیٰؑ کا ڈر تھا۔ اس لئے منع فرما دیا، ورنہ جو حقیقت ہے اس کا خود بھی اظہار فرما دیا۔ اسی طرح ایک موقع پر ارشاد فرمایا **ماینبغی لعبد ان یقول انی خیر من یونس بن متٰی** (بخاری) ''یعنی کسی آدمی کو زیبا نہیں کہ وہ (میرے متعلق) کہے کہ میں یونس بن متی سے افضل ہوں''۔ ایک دوسری روایت میں ہے لا تخیروا بین الانبیآء (مشکوٰۃ) ''انبیاء کو ایک دوسرے پر فضیلت نہ دو۔'' یہاں بھی مقصود وہی بات ہے کہ انبیاء کرامؑ کا باہمی تقابل اس انداز میں مت کرو کہ جو کسی بھی نبی کی تنقیصِ شان پر منتج ہو۔ مثلاً ''پولس'' کرنتھیوں کے نام اپنے خط میں اپنی تعریف کرتا ہوا کہتا ہے کہ

''پس ہم ایسی امید کر کے بڑی دلیری سے بولتے ہیں ٥ اور موسیٰ کی طرح نہیں ہیں جس نے اپنے چہرے پر نقاب ڈالا تا کہ بنی اسرئیل اس مٹنے والی چیز کے انجام کو نہ دیکھ سکیں ٥ (کرنتھیوں ۳:۱۲، ۱۳)

دیکھیئے پولس جو اپنے آپ کو یسوع مسیح کا رسول کہتا ہے (کرنتھیوں ۱: ۱) وہ خدا تعالی جل شانہ کے برگزیدہ رسول کی کس انداز سے توہین کر رہا ہے اور اپنے آپ کو ان سے اعلی ثابت کر رہا ہے۔ (معاذ اللہ) اہلِ اسلام کو ایسے نظریات اور ایسے عقائد سے سختی کے ساتھ منع کر دیا گیا جو اللہ تبارک وتعالی جل شانہ کی کسی بھی پسندیدہ ہستی کی توہین سے متعلق ہوں۔

موجودہ بائیبل اور عصمتِ انبیاء :

انبیاء کرامؑ اللہ تبارک وتعالی جل شانہ کی وہ برگزیدہ چنی ہوئی اور پسندیدہ ہستیاں ہیں کہ جن کو خلاقِ عالم جل شانہ نے ہدایتِ انسانی کے لئے مبعوث فرمایا۔ بے راہ رو اور شیطانی ذہن رکھنے والے لوگوں نے ان برگزیدہ ہستیوں کو ہر ممکن طریقہ سے ستایا۔ ان کو ذہنی و جسمانی اور روحانی اذیتوں سے دوچار کیا، مگر صبر واستقامت کے یہ کوہِ گراں گمراہ انسانیت کو صراطِ مستقیم کی دعوت دیتے رہے۔ انہوں نے ہر تکلیف اور مصیبت کو خندہ پیشانی سے برداشت کیا۔ جہاں انبیاء کرامؑ سے علی الاعلان دشمنی رکھنے والے کافروں نے ان کے حق میں انتہائی گھٹیا اور نازیبا کلمات ادا کیے اور ان پر رکیک قسم کے الزامات لگائے، وہاں اپنا ہونے اور تابعدار ہونے کے دعوے داروں نے بھی کچھ کم کردار ادا نہ کیا۔ قرآن کریم کی طرح دیگر آسمانی کتابوں (بائیبل) میں بھی انبیاء کرامؑ کا تفصیلاً یا اجمالاً ذکر موجود ہے۔ اس ذکر کا مقصد یا حیثیت محض قصہ یا کہانی یا رنگینی کلام نہیں، بلکہ اصل مقصد ہدایتِ انسانیت ہے۔ ان واقعات سے ایک تو راہِ خدا میں تکالیف برداشت کرنے والوں کو مزید حوصلہ ملتا ہے اور دوسری طرف منکرینِ انبیاء کرامؑ کے خوفناک انجام سے عبرت حاصل ہوتی ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ خود انبیاء کرامؑ اور ان کے پیروکاروں کے بارگاہِ ربّ العزت میں علومرتبت اور قابلِ رشک عزّ و نعم کا پتہ چلتا ہے۔ اگر یہ باتیں مفقود ہو جائیں، تو واقعہ کی حیثیت محض قصہ تک ہی محدود رہ جاتی ہے۔ افسوس پر افسوس کہ قرآنِ پاک کے سوا کوئی بھی آسمانی کتاب تحریف سے نہ بچ سکی۔ ان کتبِ آسمانی میں تحریف نے یوں کام دکھایا کہ نہ صرف واقعاتِ انبیاء کرامؑ کی اصل روح کو ختم کر دیا، بلکہ بعض جگہ ایسی غلیظ اور قابلِ نفرت عبارات کا اضافہ کر دیا ہے جو ان برگزیدہ ہستیوں کی عصمت وطہارت کی بے داغ چادر انتہائی بدنما دھبہ محسوس ہونے لگیں۔

یہاں ہم چند ایک ایسی ہی مثالیں پیش کرتے ہیں، جن سے یہ پتہ چلے گا کہ بائیبل میں واقعہ کی اصل روح کو کس قدر مسخ کیا گیا ہے۔

حضرت آدم علیہ السّلام اور بائیبل:

تورات کی کتابِ پیدائش میں حضرت آدمؑ کا واقعہ یوں درج ہے۔

"آدم اور اس کی بیوی دونوں ننگے تھے اور شرماتے نہ تھے اور سانپ کل دشتی جانوروں سے جن کو خداوند خدا نے بنایا تھا، چالاک تھا اور اس نے کہا کیا واقعی اللہ نے کہا ہے کہ باغ میں کسی درخت کا پھل تم نہ کھانا۔

☆......عورت نے سانپ سے کہا باغ کے درختوں کا پھل تو ہم کھاتے ہیں

☆......پر جو درخت باغ کے بیچ میں ہے اس کے پھل کی بابت خدا نے کہا ہے تم نہ تو اسے کھانا اور نہ چھونا، ورنہ مر جاؤ گے تب سانپ نے اس عورت سے کہا کہ تم ہرگز نہ مرو گے

☆...... بلکہ خدا جانتا ہے کہ جس دن تم اسے کھاؤ گے، تمھاری آنکھیں کھل جائیں گی

☆......اور تم خدا کی مانند نیک وبد کو جاننے والے بن جاؤ گے ٥ عورت نے جو دیکھا کہ وہ درخت کھانے کے لئے اچھا اور آنکھوں کو خوشنما معلوم ہوتا ہے اور عقل بخشنے کے لئے خوب ہے، تو اس کے پھل میں سے لے لیا اور کھایا اور شوہر کو بھی دیا اور اس نے کھایا

☆......تب دونوں کی آنکھیں کھل گئیں اور ان کو معلوم ہوا کہ وہ ننگے ہیں اور انہوں نے انجیر کے پتوں کو سی کر اپنے لیے لنگیاں بنائیں۔

☆......اور انہوں نے خداوند کی آواز جو ٹھنڈے وقت باغ میں پھرتا تھا، سنی اور آدم اور اس کی بیوی نے اپنے آپ کو خداوند کے حضور سے باغ کے درختوں میں چھپایا۔ تب خداوند نے آدم کو پکارا اور اس سے کہا کہ تو کہاں ہے؟۔ اس نے کہا میں نے باغ میں تیری آواز سنی اور میں ڈرا کیونکہ میں ننگا تھا اور میں نے اپنے آپ کو چھپایا۔ اس نے کہا تجھے کس نے بتایا کہ تو ننگا ہے؟۔ کیا تو نے اس درخت کا پھل کھایا جس کی بابت میں نے تجھے حکم دیا تھا کہ اسے نہ کھانا؟۔ آدم نے کہا کہ جس عورت کو تو نے میرے ساتھ کیا ہے، اس نے مجھے اس درخت کا پھل دیا اور میں نے کھایا۔

☆......تب خداوند نے عورت سے کہا کہ تو نے یہ کیا کیا؟ عورت نے کہا کہ سانپ نے مجھ کو بہکایا، تو میں نے کھایا۔

☆......اور خداوند نے سانپ سے کہا اس لیے کہ تو نے یہ کیا تو سب چوپایوں اور دشتی جانوروں میں ملعون ٹھہرا۔ تو اپنے پیٹ کے بل چلے گا اور اپنی عمر بھر خاک چاٹے گا اور میں تیرے اور عورت کے درمیان اور تیری نسل اور عورت کی نسل کے درمیان عداوت ڈالوں گا۔ وہ تیرے سر کو کچلے گا اور تو اس کی ایڑی پر کاٹے گا۔ پھر اس نے عورت سے کہا کہ میں تیرے دردِ حمل کو بہت بڑھاؤں گا، تو درد کے ساتھ بچے جنے گی اور تیری رغبت اپنے شوہر کی طرف ہوگی اور وہ تجھ پر حکومت کرے گا۔

اور آدم سے اس نے کہا چونکہ تو نے اپنی بیوی کی بات مانی اور اس درخت کا پھل کھایا جس کی بابت میں نے تجھے حکم دیا تھا کہ اسے نہ کھانا، اس لیے زمین تیرے سبب لعنتی ہوئی۔ مشقت کے ساتھ تو اپنی عمر بھر اس کی پیداوار کھائے گا۔ اور وہ تیرے لیے کانٹے اور اونٹ کٹارے اگائے گی اور تو کھیت کی سبزی کھائے گا۔

☆......اور تو اپنے منہ پسینے کی روٹی کھائے گا، جب تک کہ زمین میں تو پھر لوٹ نہ جائے، اس لیے کہ تو اس سے نکالا گیا ہے، کیونکہ تو خاک ہے اور خاک میں پھر لوٹ جائے گا۔ (پیدائش ۲:۲۵-۳:۱ تا ۷)

بائبل مقدس کی مذکورہ بالا عبارت سے معلوم ہوا کہ (خط کشیدہ عبارات ملاحظہ فرمائیں)۔

۱)۔ آدم وحوا (علیہما السلام) جنت (باغ) میں بالکل برہنہ گھومتے پھرتے اور ان کو شرم نہ آئی تھی۔

۲)۔ خدا نے آدم وحوا (علیہما السلام) سے کہا کہ فلاں درخت کا پھل نہ کھانا نہ اسے چھونا، ورنہ مر جاؤ گے۔

۳)۔ سانپ نے حوا (علیہا السلام) کو بتایا کہ خدا نے (معاذ اللہ) جھوٹ بولا ہے، تم مرو گے نہیں، بلکہ خدا کو معلوم ہے کہ اگر تم شجرِ ممنوعہ کا پھل کھاؤ گے، تو تمھاری آنکھیں کھل جائیں گی اور تم نیک وبد کو جان لو گے۔

۴)۔ چنانچہ اغواء سانپ سے انہوں (آدم وحوا علیہما السلام) نے شجرِ ممنوعہ کھایا تو دونوں کی فی الواقع آنکھیں اور نیک وبد کی تمیز ہوگئی اور انہوں نے جان لیا کہ ہم ننگے ہیں، ورنہ پہلے نہ جانتے تھے

نتیجہ: ۱)۔ خدا تعالیٰ نے معاذ اللہ جھوٹ بولا اور سانپ نے سچ بولا۔ اسی لیے شجرِ ممنوعہ کھا کر آدم وحوا مرے نہیں بلکہ ان کی آنکھیں کھل گئیں اور ان کو تن ڈھانپنے کی فکر ہوئی۔ (شیطان کا اس پورے واقعہ میں کوئی کردار نہیں)۔

ب)۔ اللہ تعالیٰ نے معاذ اللہ انسان کو دھوکے میں رکھا، وہ نہیں چاہتا تھا کہ اس کی آنکھیں کھلیں یا اسے نیک وبد کی پہچان ہو سکے، مگر سانپ نے انسان کی حمایت کی اور اصل واقعہ سے آگاہ کر دیا (سانپ دوست، اللہ دشمن)

اب بائبل کی مذکورہ عبارت سے بقیہ خط کشیدہ عبارت ملاحظہ ہو:

۵)۔ اللہ ٹھنڈے وقت میں باغ میں سیر کر رہا تھا کہ اس کی آواز سن کر آدم وحوا نے اپنے آپ کو درختوں میں چھپا لیا، یعنی وہ دونوں اللہ کی نظروں سے اوجھل ہو گئے۔

۶)۔ تب اللہ نے (ڈھونڈنے کے انداز میں) پکار کر کہا (اے آدم) تم کہاں ہو؟۔ آدم نے بتایا کہ میں ننگا ہوں اور تجھ سے ڈر کر چھپا ہوا ہوں۔

۷)۔ اللہ نے آدم کا جواب سنا تو کہا کہیں تو نے درخت کا پھل تو نہیں کھا لیا؟۔ جو تجھے نیک وبد کی پہچان ہوگی اور تیری آنکھیں کھل گئیں ہیں (ورنہ اللہ کو شاید ابھی تک پتہ نہ چلتا)

۸)۔ آدم نے اقرار کر لیا اور کہا کہ عورت نے کھلایا، تب اللہ نے عورت سے پوچھا۔ اس نے سانپ کا نام لے لیا (یہ سن کر کہ سانپ نے یہ راز تو افشاء کر دیا، اللہ غصہ میں آ گیا اور ان کو سزا دی) سانپ کو کہا کہ تو تمام جانوروں میں ملعون ہوا۔ تیرے اور انسان کے درمیان دشمنی رہے گی۔ حضرت حوا علیہا السلام کو سزا سنائی کہ تجھے دردِ زہ بہت ہوگا اور تو تکلیف سے بچے جنے گی (یعنی ہر عورت ہی) حضرت آدم علیہ السلام (یعنی ہر مرد) کو سزا سنائی کہ زمین تیری وجہ سے لعنتی ہوئی، تو زمین پر محنت ومشقت کرے گا اور یہ تیرے لیے کانٹے اور اونٹ کٹارے اگائے گی۔ (تفصیل سزاؤں کے متعلق عبارت دیکھیں)

نتیجہ: ۱)۔ اللہ کا پروگرام (معاذ اللہ) سانپ کی انسان دوستی کی وجہ سے پورا نہ ہو سکا اور سانپ کی سچائی پر (معاذ اللہ) اللہ کو غصہ آ گیا۔ اس نے ضد کے طور پر سانپ کو اس کی انسان دوستی پر یہ سزا دی کہ اس کے اور انسان کے درمیان دشمنی ڈال دی اس طرح انسان اپنے ہی محسن کا دشمن بن گیا۔

ب)۔ حضرت آدم وحوا (علیہما السلام) کی لغزش کی سزا ان کی پوری نسل کو دے دی اور آج تک یہ سزا بحال ہے، یعنی عورت کو دردِ زہ بھی ہوتا ہے اور مرد کو محنت ومشقت کرنا پڑتی ہے، بلکہ زمانہ جدیدہ میں تو عورت بھی مرد کے ساتھ اسی سزا (محنت ومشقت) میں شامل ہے، حالانکہ اللہ تعالیٰ کا بنایا ہوا قانون اس کے خلاف ہے کہ گناہ کوئی کرے اور سزا دوسرے کو ملے۔ بائبل میں قانونِ خدا بایں الفاظ نقل ہے

”جو جان گناہ کرتی ہے، وہی مرے گی۔ بیٹا باپ کے گناہ کا بوجھ نہ اٹھائے گا اور نہ باپ بیٹے کے گناہ کا بوجھ اٹھائے گا ___ صادق کی صداقت اسی کے لیے ہوگی اور شریر کی شرارت شریر کے لیے۔“ (حزقی ایل ۱۸:۲۰)

حضرت آدم علیہ السلام اور قرآن پاک:

قرآن پاک میں حضرت سیدنا آدمؑ کا ابتدائی واقعہ کئی جگہ مذکور ہے۔ ہم بقدر ضرورت اختصاراً بعض جگہوں سے آیاتِ مبارکہ کے تراجم نقل کریں گے۔ اصل

عبارتِ قرآنی کے لیے حوالہ میں دی گئی سورتوں اور آیاتِ مبارکہ کی طرف رجوع فرمائیں۔ واقعہ ملاحظہ ہو

''(اے پیارے محبوب ﷺ) اور جب آپ کے رب نے فرشتوں سے فرمایا کہ میں زمین میں اپنا نائب بنانے والا ہوں فرشتے بولے (اے پروردگار) کیا ایسے (انسان) کو نائب بنائے گا جو اس (زمین) میں فساد پھیلائے گا اور خونریزیاں کرے گا اور ہم تجھے سراہتے ہیں تیری تسبیح کرتے اور تیری تقدیس بولتے ہیں (اللہ تعالیٰ) نے فرمایا کہ مجھے معلوم ہے جو تم نہیں جانتے اور (اللہ تعالیٰ نے) آدمؑ کو تمام اشیاء کے نام سکھائے۔''

پھر ان تمام اشیاء کو ملائکہ پر پیش کر کے فرمایا ''اگر تم سچے ہو تو ان اشیاء کے نام بتاؤ؟۔ (فرشتے) بولے (تمام) پاکیزگی تیرے ہی لیے ہے (اور ہم اقرار کرتے ہیں کہ) ہمیں کچھ بھی علم نہیں، مگر یہ کہ جتنا تو نے ہمیں سکھایا، اس میں شک نہیں کہ علم وحکمت والا تو ہی ہے (پھر اللہ تعالیٰ نے) فرمایا: اے آدم! ان کو ان اشیاء کے نام بتا دو۔ تو جب آدمؑ نے انہیں تمام نام بتا دیئے، تو (اللہ تعالیٰ نے) فرمایا: میں نہ کہتا تھا کہ میں جانتا ہوں آسمان وزمین کی سب پوشیدہ

اشیاء کو اور میں جانتا ہوں جو کچھ تم ظاہر کرتے ہو اور جو کچھ تم چھپاتے ہو اور (یاد کرو) جب ہم نے فرشتوں کو حکم دیا کہ آدمؑ کو سجدہ کرو، تو سب نے سجدہ کیا سوائے ابلیس کے، وہ منکر ہوا اور اس نے غرور کیا اور وہ کافر ہو گیا اور ہم نے فرمایا کہ اے آدم تو اور تیری زوجہ اس جنت میں رہو اور کھاؤ۔ اس میں سے بلا جھجک، جہاں سے تمہارا جی چاہے، مگر اس درخت کے قریب نہ جانا کہ حد سے بڑھنے والوں میں سے ہو جاؤ گے۔''

''پھر شیطان نے ان کے دل میں خطرہ ڈالا تا کہ ان پر کھول دے شرم کی چیزیں، جو ان سے چھپی تھیں اور (شیطان) بولا، تمھیں تمھارے رب نے اس درخت سے اسی لیے منع فرمایا ہے کہ کہیں تم دونوں فرشتے نہ ہو جاؤ یا ہمیشہ جینے والے (نہ بن جاؤ) اور اس (لعین نے) ان دونوں (آدم وحوا) کے حضور قسم کھائی کہ میں تم دونوں کا خیرخواہ ہوں اور ان کو فریب دے کر کھانے کی طرف مائل کیا تو جونہی انہوں نے اس درخت (کا پھل) چکھا، ان پر ان کی شرم کی چیزیں کھل گئیں (ستر کھل گیا اور جب برہنگی سے شرم محسوس ہوئی، تو وہ دونوں اپنے بدن پر جنت کے درختوں کے) پتے چپکانے لگے اور ان کو ان کے رب نے فرمایا کہ کیا میں نے تمہیں اس درخت سے منع نہ کیا تھا اور یہ نہ کہہ دیا تھا کہ شیطان تمھارا کھلا دشمن ہے۔ ان دونوں نے عرض کی کہ اے ہمارے رب! ہم نے اپنا برا کیا (اپنی جانوں پر زیادتی کی) اور اگر تو ہمیں نہ بخشے گا اور ہم پر رحم نہ فرمائے گا، تو بے شک ہم نقصان اٹھانے والوں میں سے ہو جائیں گے۔''

''پھر آدمؑ نے اپنے رب سے کچھ کلمے سیکھ لیے (ان کے ذریعہ توبہ کی) تو اللہ تعالیٰ نے ان کی توبہ قبول فرمائی۔ بے شک وہ (اللہ تعالیٰ) بہت ہی توبہ قبول فرمانے والا مہربان ہے۔ ہم نے (یعنی اللہ تعالیٰ نے) فرمایا: تم سب جنت سے اتر جاؤ۔ پھر اگر تمھارے پاس میری طرف سے کوئی ہدایت آئے تو جو میری ہدایت کا پیرو ہوا، اسے نہ تو کوئی اندیشہ ہوگا اور نہ ہی کوئی غم اور جو کفر کریں گے اور میری آیتیں جھٹلائیں گے تو وہ دوزخ (میں رہنے) والے ہیں۔ ان (نافرمانوں) کو اس (دوزخ) میں ہمیشہ رہنا ہوگا۔

اس واقعہ میں قرآن وبائیبل کا تقابلی جائزہ

محترم قارئین! اب آپ قرآن پاک میں بیان کردہ واقعہ اور بائیبل کے بیان کردہ واقعہ کا تقابلی جائزہ لیں، تو چند ایک باتیں بالکل عیاں نظر آئیں گی۔

۱)۔ حضرت آدمؑ کی پیدائش سے قبل فرشتوں کا بارگاہ رب العزت میں گزارش کرنا، جواباً خدائے لم یزل کا فرمانا کہ **انی اعلم مالا تعلمون ٥** (یعنی میں جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے) اور پھر آدمؑ کو دولتِ علم سے سرفراز فرما کر عملی طور پر فرشتوں پر برتری ثابت کرنا وغیرہ اہم واقعات کا بائیبل نے قطعاً تذکرہ نہ کیا ''جبکہ قرآن پاک نے واضح ترین الفاظ میں یہ سب کچھ بیان فرمایا اور اس بیان سے ایک عظیم سبق حاصل ہوا، وہ یہ ہے:

علم ایک عظیم اور لازوال دولت ہے۔ فرشتوں پر انسان کی برتری علم ہی کی وجہ سے ہوئی اور حصولِ علم انسان کا پیدائشی حق اور فرض ہے۔

۲)۔ انسان سے شیطان کی دشمنی کا اصل سبب، شیطان کا حسد اور تکبر کرتے ہوئے حکم باری تعالیٰ کا انکار، شیطان لعین کا جھوٹی قسم اٹھا کر حضرت آدمؑ کو دھوکا دینا، ان تمام واقعات کا بھی بائیبل نے کوئی ذکر نہیں کیا، جبکہ قرآن پاک نے وضاحت سے ان واقعات پر روشنی ڈالی، کیونکہ ان واقعات سے بیان کا بھی ایک مقصد ہے، مثلاً یہ کہ

۱)۔ انسان کا اصل دشمن شیطان ہے، اس لیے اس سے ہر ممکن طور پر بچنا

چاہیئے۔

ب)۔ خدایا حکمِ خدا کا انکار آخرت کی تباہی و بربادی کا پیش خیمہ ہے اور نبی کی توہین بدترین کفر ہے۔

ج)۔ دنیا میں سب سے پہلا گناہ حسد اور غرور کی وجہ سے صادر ہوا، اس لیے ان سے بچو۔

د)۔ جھوٹی قسمیں اُٹھانا یا انسان کو دھوکا دینا شیطانی کام ہیں، یہ انسان کو زیب نہیں دیتے اور نہ ہی یہ افعال انسان کے شایانِ شان ہیں۔

۳)۔ بائبل نے ثابت کیا کہ شجرِ ممنوعہ کا پھل کھانے سے قبل انسان نیک و بد کو پہچانتا نہ تھا، حتی کہ اسے بھی علم نہ تھا کہ وہ ننگا ہے۔ پھر سانپ نے ان کو ترغیب دی کہ اس درخت کا پھل کھاؤ، تو تم بھی اللہ کی طرح نیک و بد کے جاننے والے بن جاؤ گے۔ بائبل کے الفاظ ہیں

''عورت نے جو دیکھا کہ وہ درخت کھانے کے لیے اچھا اور آنکھوں کو خوشنما معلوم ہوتا ہے اور عقل بخشنے کے لیے خوب ہے، تو اس کے پھل میں سے لیا، اور کھایا اور اپنے شوہر کو بھی دیا اور اس نے کھایا o تب دونوں کی آنکھیں کھل گئیں اور ان کو معلوم ہوا کہ وہ ننگے ہیں'' (پیدائش ۳:۶، ۷)

یہ بات باعثِ تعجب ہے کہ اگر انسان اس قدر بے علم اور عقل کا اندھا تھا کہ اتنا بھی نہ جانتا تھا کہ میں ننگا ہوں یا نہیں اور میرا نیک و بد کیا ہے۔ مجھے اپنا ستر بھی چھپانا چاہیے یا نہیں، تو اسے درخت کیونکر خوشنما نظر آ گیا اور اس نے یہ کیونکر جان لیا کہ یہ کھانے کے لیے اچھا اور عقل بخشنے والا ہے۔ اگر انسان اتنی سی سوجھ بوجھ رکھتا تھا۔ اگرچہ سانپ کے برانگیختہ کرنے سے ہی سہی، تو اسے آج تک اپنے جسم کا ننگا پن کیوں نظر نہ آیا؟ مختصر یہ نہ کہ بائبل نے ثابت کیا کہ انسان سانپ سے بھی جاہل اور کم عقل اندھا تھا۔ اگر شجرِ ممنوعہ نہ کھاتا، تو اسے ہرگز عقل نہ آتی اور اللہ بھی اسے عقل مند نہ بنانا چاہتا تھا۔ یہ باتیں اللہ اور انسان کی زبردست توہین کا باعث ہیں، جبکہ

قرآن نے انسان کو سربلندی کمال اور بے مثال عزت و شرف سے ہمکنار کیا اور بتایا کہ اللہ نے اپنے فرمودہ انسان کو عقل، فہم و شعور اور مرتبۂ علم میں، اس قدر معزز فرمایا کہ فرشتوں کی پیشانی بھی اس کے حضور جھک گئی، اسے مسجود الملائکہ بنا دیا گیا۔ (دیکھیے سورۃ البقرہ، آیات ۳۱ تا ۳۴)

اب آپ خود انصاف فرمایئے کہ عظمتِ انسانی کا علمبردار اور محافظ حضور امام الانبیاء ﷺ کی پیش فرمودہ قرآن پاک ہے یا کہ بائبل؟

۴)۔ بائبل نے ثابت کیا کہ شجرِ ممنوعہ چکھنے کی پاداش میں آدم و حوا (علیہم السلام) کو جو سزا دی (اصل عبارت گزشتہ صفحات میں ملاحظہ ہو) وہ سزا ان کی اولاد کو بھی دی گئی حالانکہ جرم صرف آدم و حوا (علیہما السلام) کا تھا نہ کہ ان کی پوری اولاد کا اور یہ سزا آج تک موجود ہے، جس سے نہ کوئی مسیحی بچا ہوا ہے اور نہ غیر مسیحی بچا ہوا ہے اور نہ غیر مسیحی، جبکہ

قرآنِ پاک نے فرمایا کہ آدم و حوا علیہم السلام سے شیطان کے دھوکہ دینے کی وجہ سے جو لغزش واقع ہو گئی تھی، وہ معاف کر دی گئی ہے، کیونکہ ان دونوں نے اپنے قصور کا اقرار کر کے عاجزی اور انکساری کے ساتھ پروردگارِ عالم جل شانہٗ کے حضور توبہ کی تھی اور اب اولادِ آدمؑ کو اس سابقہ لغزش کی بناء پر کوئی سزا قطعاً نہیں دی جا رہی ہے، بلکہ وعدۂ الٰہی ہے کہ ''جو کوئی (میری طرف سے آمدہ) ہدایت کی پیروی کرے گا، اسے نہ تو کوئی خوف ہو گا اور نہ ہی کوئی غم، (یعنی اسے جنت میں اعلیٰ مقام عطا فرمایا جائے گا) اور جو لوگ کفر کریں گے اور میری آیتیں جھٹلائیں گے، وہی دوزخی ہیں، ان کو آگ میں ہمیشہ رہنا ہو گا۔'' (البقرہ آیات ۳۸ و ۳۹)

<u>**مقصدِ واقعہ**</u>: گزشتہ صفحات میں مذکورہ فوائد و مقاصد کے سوا اس واقعہ کے بیان کا ایک اور عظیم مقصد ہے اور اس مقصد کی طرف سے بائبل نے اشارہ تک نہ کیا، جبکہ قرآن مجید نے بڑے واضح انداز میں اس کا بیان فرمایا۔ قرآنِ پاک میں ہے

''(جب اللہ تعالیٰ نے انسان کو عزت و شرف سے نوازا اور شیطان لعین کو آدمؑ کے حضور سجدہ نہ کرنے کے جرم میں مردود قرار دے دیا، تو شیطان نے کہا) پروردگار دیکھ جس ہستی (یعنی آدمؑ) کو تو نے مجھ پر فوقیت (اور عزت) دی ہے اگر تو مجھے قیامت تک مہلت دے، تو میں اس (آدمؑ) کی اولاد کو سوائے چند لوگوں کے (سب کو) اپنے قابو میں کر کے رہوں گا (یعنی گمراہ کر دوں گا)۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: دور ہو (یعنی جا) ان میں سے جو بھی تیری پیروی کرے گا، تو یقیناً سب کا بدلہ جہنم ہے اور زبردست سزا ہے اور (جا) ان میں سے جس پر تیرا بس چلے اسے ڈگمگا دے اپنی آواز کے ساتھ اور ان پر (لشکر لیکر) اپنے سواروں اور پیادوں کے ساتھ چڑھائی کر دے اور تو ان کے مال اور ان کی اولاد میں ان کا شریک ہو جا اور انہیں (اپنی

فرمانبرداری کے) وعدے دے اور (اے انسان!) شیطان کے وعدے تو صرف مکر اور فریب ہی ہیں (پھر فرمایا کہ اے شیطان! ان عملوں کے باوجود) جو میرے (خاص) بندے ہیں، ان پر تیرا کوئی بس نہ چلے گا اور تیرا رب کافی ہے کام بنانے کو۔" (سورۃ بنی اسرائیل آیات ۶۲ تا ۶۵)

قرآنِ پاک میں ایک اور جگہ ارشاد ہے کہ "(اللہ تعالیٰ نے فرمایا) اے ابلیس! تجھے کس چیز نے روکا کہ اس (آدم) کو سجدہ نہ کرے کہ جسے میں نے اپنے دستِ قدرت سے بنایا۔ کیا تجھے غرور آگیا یا (اپنے خیال میں) تو تھا ہی مغروروں سے۔ ابلیس نے کہا: میں اس سے (یعنی انسان سے) بہتر ہوں، کیونکہ مجھے تو نے آگ سے بنایا اور اسے مٹی سے پیدا کیا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جنت سے نکل جا کہ بیشک تو مردود ہو گیا ہے اور یقیناً قیامت تک تجھ پر میری لعنت ہے۔ ابلیس نے کہا اگر ایسا ہے تو اے رب! مجھے اس دن تک مہلت دے جس دن مردے زندہ کر کے اٹھائیں جائیں گے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا (جا) تجھے مہلت دی جاتی ہے، اس جانے ہوئے معین وقت تک۔ ابلیس بولا: (مجھے) تیری عظمت کی قسم ہے، میں ان سب کو گمراہ کردوں گا، سوائے ان کے کہ جو تیرے خاص بندے ہیں (یعنی ان پر میرا داؤ نہ چل سکے گا) اللہ تعالیٰ نے فرمایا حق بات تو یہ ہے اور میں حق بات ہی کرتا ہوں کہ میں تجھ سے اور ان لوگوں سے کہ جو تیری پیروی کریں گے، سب سے ضرور بالضرور جہنم کو بھر دوں گا۔"

(سورۃ ص، آیات ۷۵ تا ۸۵)

قرآنِ پاک نے ان واقعات کو بیان فرما کر بطورِ تنبیہ اظہار مقصد فرمایا:

"اے اولادِ آدم! خبردار (یعنی ہوشیار ہو جاؤ) شیطان تم کو فتنہ میں نہ ڈالے (یعنی ۔۔۔ ان کے کپڑے اتروا کر نکلوا دیا تا کہ ان کے ستر ان کو دکھا دے۔ بے شک وہ اور اس کا کنبہ تمہیں وہاں سے دیکھتے ہیں کہ تم انہیں نہیں دیکھتے۔ بے شک ہم نے شیطانوں کو ان لوگوں کا دوست بنا دیا ہے جو ایمان نہیں لاتے۔"

(الاعراف آیت: ۲۷)

نتیجہ: شیطانِ لعین نے نسلِ انسانی کو گمراہ کرنے کی قسم اٹھا رکھی ہے، اس نے ہمارے جدِّ امجد آدمؑ کے سامنے جھوٹی قسم بھی کھائی تھی، اس لیے اس بدبخت سے اپنے آپ کو بچانا بہت ضروری ہے، لیکن بائبل کے بیان سے نتیجہ نکالو، تو یہ نکلے گا

ا)۔ اللہ انسان کو جاہل رکھنا چاہتا تھا، اس لیے انسان کا حقیقی دشمن وہ ہے (معاذ اللہ) مگر انسان اب اس کی عبادت کرتا ہے۔

ب)۔ انسان کا اصلی اور جاں نثار دوست سانپ ہے جو خود تو ملعون ہوا، مگر انسان کو عقلمند بنا گیا، اس لیے اس کی قربانی کی قدر کرنی چاہیے (مگر اب انسان اسے اور وہ انسان کو قتل کرتا ہے) یاللعجب؟

ج)۔ شیطان بے چارے کا کوئی قصور نہیں ہے۔ ان دنوں وہ خواہ مخواہ بدنام ہے۔ (کیونکہ اس واقعہ میں اس کا کوئی بھی کردار درج نہیں)

حضرت اسرائیل اور بنی اسرائیل کا واقعہ

اسرائیل حضرت یعقوبؑ کا لقب ہے۔ آپ کا اور آپ کی اولاد یعنی بنی اسرائیل کا ذکر قرآنِ پاک میں بہت سی جگہ پر ہوا۔ حضرت یعقوبؑ کے بعد تشریف لانے والے پیغمبر ماسوائے امام الانبیاء حضرت محمد ﷺ کے تمام آپ کی اولاد، یعنی بنی اسرائیل سے ہوئے، اس لیے قرآن پاک میں جہاں کہیں بھی ان انبیاء کرامؑ کا ذکر ہے کہ جو اولادِ یعقوبؑ سے ہیں، وہاں نبی اسرائیل ہی کا ذکر ہے، لیکن اس جگہ ہم صرف سورۃ یوسف شریفہ میں بیان ہونے والے واقعہ کے بعض حصوں کا اختصار کے ساتھ قرآن اور بائیبل کی روشنی میں جائزہ لیں گے اور موازنہ پیش کریں گے۔ یہ موازنہ پیش کرنا اس لیے بھی ضروری ہے کہ اس سے یورپی مستشرقین کے اس الزام کی قلعی بھی کھل جائے کہ جو وہ یہ کہتے ہیں کہ قرآن پاک میں انبیاء کرامؑ کے واقعات وحی الٰہی نہیں، بلکہ علماء بائیبل سے سن کر تحریر کیے گئے ہیں۔

محترم قارئین! آپ نے پچھلے صفحات میں ابوالبشر آدمؑ کا واقعہ ملاحظہ فرمایا اور موازنہ کیا۔ یہاں واقعۂ یوسفؑ کے بعض حصوں کا موازنہ ملاحظہ فرمائیے۔

(وباللہ التوفیق)

واقعہ یوسفؑ میں بنیادی کردار وہ خواب ہے جو آپؑ نے اپنے بچپنے میں دیکھا۔ موجودہ بائیبل میں اس خواب کا تذکرہ کچھ یوں درج ہے

بائیبل "پھر اس نے دوسرا خواب دیکھا اور اپنے بھائیوں کو بتایا۔ اس نے کہا: دیکھو مجھے ایک اور خواب دکھائی دیا ہے کہ سورج اور چاند اور گیارہ ستاروں نے مجھے سجدہ کیا o اور اس نے اسے اپنے باپ اور بھائیوں دونوں کو بتایا۔ تب اس کے باپ نے اسے ڈانٹا اور کہا کہ یہ خواب کیا ہے جو تو نے دیکھا ہے؟۔ کیا میں اور تیری ماں اور تیرے بھائی سچ مچ تیرے آگے زمین پر جھک کر تجھے سجدہ کریں گے؟

o'' (پیدائش ۳۷: ۹-۱۰)

بائیبل کے بیان سے یہ تاثر ملتا ہے کہ یعقوبؑ نے یوسفؑ کے خواب کو اپنی اور اپنی زوجہ اور اپنے بیٹوں کی توہین پر محمول کیا، اسی لیے انکار کے انداز میں ڈانٹ کر کہا کہ یہ کیا خواب ہے جو تو نے دیکھا ہے؟۔ کیا واقعی ہم سب تیرے آگے زمین پر جھک کر تجھے سجدہ کریں گے؟ یعنی یہ ناممکن ہے اور لغو ہے، حالانکہ خود بائیبل گواہ ہے کہ فی الواقع ایسے ہی ہوا۔ ملاحظہ ہو پیدائش ۴۲:۶

اسی خواب کا تذکرہ قرآن مجید نے بھی فرمایا، مگر اس انداز سے

قرآن مجید ''(اس وقت کو یاد کیجیے کہ) جب یوسفؑ نے اپنے باپ سے کہا کہ اے میرے ابّاجان! میں نے (خواب میں) گیارہ ستاروں کو دیکھا اور سورج اور چاند کو دیکھا کہ وہ مجھے سجدہ کر رہے ہیں (تو ان کے باپ نے) فرمایا کہ اے میرے بیٹے! اپنا خواب اپنے بھائیوں سے ہرگز بیان نہ کرنا، ورنہ وہ (حسد کی وجہ سے) تیرے لیے کوئی سازش تیار کریں گے (اس لیے کہ) بے شک شیطان انسان کا صریح دشمن ہے اور اسی طرح (یعنی یہ خواب دلالت کرتا ہے کہ) تیرا پروردگار تجھے برگزیدہ فرمائے گا اور تجھے باتوں کا انجام نکالنا سکھائے گا اور تجھ پر اور یعقوبؑ کے (دوسرے) گھر والوں پر اپنی نعمتیں پوری فرمائے گا جس طرح کہ اس نے اس سے قبل تیرے دادا ابراہیم و اسحٰق (علیہما السلام) پر (اپنی نعمتیں) پوری فرمائیں۔''

(سورۂ یوسف، آیات ۴ تا ۶)

اللہ اکبر! قرآن پاک کا اسلوبِ بیان کس قدر نرالا اور بے مثال ہے۔ یہ تو ترجمہ پیش کیا گیا ہے۔ اگر آپ عربی دان ہیں، تو متنِ قرآنی میں اصل الفاظ ملاحظہ فرمائیے، آپ کو ان الفاظ میں فصاحت و بلاغت کا ایک ٹھاٹھیں مارتا ہوا سمندر نظر آئے گا۔

بائیبل کے برعکس قرآن پاک نے ثابت کیا کہ خواب سن کر حضرت یعقوبؑ نہ تو ناراض ہوئے اور نہ اپنے لختِ جگر کو ڈانٹا بلکہ بڑے ملائم انداز میں سمجھایا کہ اس خواب کو بھائیوں سے پوشیدہ رکھنا کہ کہیں شیطان ان کے دل میں حسد کی آگ نہ بھڑکا دے اور ساتھ ساتھ خوش خبری بھی سنائی کہ میرے بیٹے! تیرا یہ خواب تیرے بلندیٔ مرتبہ و مقام کی دلیل ہے۔ سو وہی کچھ ہوا کہ جس کی حضرت یعقوبؑ پیش گوئی فرما چکے تھے۔

بائیبل اس خواب کے بعد بائیبل نے جو واقعہ بیان کیا ہے، وہ مختصر ترین الفاظ میں یوں درج ہے ''ایک دن برادرانِ یوسفؑ بکریاں چراتے ہوئے دور نکل گئے۔ حضرت یعقوبؑ کی خواہش اور حکم پر حضرت یوسفؑ اپنے بھائیوں کی تلاش میں نکلے، بھائیوں سے ملے، تو انہوں نے ان کو پکڑ کر ایک گڑھے میں ڈال دیا۔ اتنے میں ایک قافلہ کا ادھر سے گزر ہوا۔ بعض بھائیوں نے یوسفؑ کو گڑھے سے نکالا اور اہلِ قافلہ کے ہاتھ بیس روپے میں فروخت کر دیا۔ پھر سب بھائیوں نے متفقہ طور پر بکرا ذبح کر کے حضرت یوسفؑ کی قبا کو ایک بکرے کے خون سے آلودہ کر لیا اور گھر آ کر حضرت یعقوبؑ سے کہا کہ دیکھو یہ کس کی قبا ہے؟۔ آگے بائیبل کے الفاظ ہیں ''اور اس نے اسے پہچان لیا اور کہا یہ تو میرے بیٹے کی قبا ہے، کوئی برا درندہ اسے کھا گیا۔ یوسفؑ بے شک پھاڑ گیا o تب یعقوب نے اپنا پیراہن چاک کیا اور ٹاٹ اپنی کمر سے لپیٹا اور بہت دنوں تک اپنے بیٹے کے لیے ماتم کرتا رہا۔ اور اس کے سب بیٹے بیٹیاں اسے تسلی دینے جاتے تھے، پر اسے تسلی نہ ہوتی تھی۔ وہ یہی کہتا رہا کہ میں تو ماتم کرتا ہوا قبر میں اپنے بیٹے سے جا ملوں گا۔ سو اس کا باپ اس کے لیے روتا رہا o''

بائیبل کے اس بیان سے معلوم ہوا کہ

۱)۔ یوسفؑ کو خود یعقوبؑ نے حکماً بھائیوں کے پیچھے روانہ کیا تھا، حالانکہ بھائی اپنے ساتھ نہ لے گئے تھے۔ اس پر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر بھائی خود ساتھ لیکر ہی نہیں گئے تھے اور یعقوبؑ کو بھی علم نہیں تھا کہ یوسفؑ بھائیوں تک پہنچا بھی ہے کہ نہیں، تو خواہ مخواہ برادران یوسف نے آپ کی قمیص کو بکرے کے خون سے آلودہ کر کے اپنے باپ کے سامنے کیوں پیش کیا؟ باپ کے سوال کرنے پر کیوں نہ کہہ دیا کہ ابا جان وہ کونسا ہمارے ساتھ گیا تھا جو اس کا ہمیں علم ہو، وہ تو آپ کے پاس تھا۔ انہیں اتنا لمبا چوڑا پلان بنانے کی کیا ضرورت تھی؟۔

۲)۔ برادرانِ یوسف جب یوسفؑ کی قبا خون آلود کر کے باپ کے سامنے لے گئے تو باپ نے کہا کہ ''اسے کوئی برا درندہ کھا گیا ہے۔ بے شک یوسف پھاڑا گیا ہے۔''

حالانکہ یہ جھوٹ تھا، بے سوچے سمجھے اللہ تعالیٰ کا نبی کوئی بات کیسے کہہ سکتا ہے، جبکہ توراۃ سے قطعاً یہ ثابت نہیں کہ یوسفؑ کی قبا کہیں سے بھی پھٹی ہوئی تھی۔ خون آلود سالم قبا کو دیکھ کر کوئی بھی شخص اندازہ لگا سکتا ہے کہ یہ محض اور محض فراڈ ہے یہ کیسے

ممکن ہے کہ بھیڑیا انسان کو تو کھا جائے، مگر اس کے پہنے ہوئے کپڑوں پر خراش تک نہ آئے۔

۳)۔ ''یعقوبؑ نے اپنا پیرہن چاک کیا اور اپنی کمر سے ٹاٹ لپیٹ کر کئی روز تک ماتم کرتے رہے۔'' حالانکہ یہ بات انبیاء کرامؑ کے قطعاً شایانِ شان نہیں۔ ان کی طرف صبر کے ساتھ رونے کی نسبت تو کی جاتی ہے اور یہ حقیقت واقعی بھی ہے لیکن بے صبری کا ماتم ایسی برگزیدہ ہستیوں سے ناممکن ہے۔

قرآنِ مجید: اب آپ قرآنِ پاک کے بیان کردہ واقعہ کو پڑھیں اور کسی بھی رخ سے دیکھیں، بفضلِ تعالیٰ اسے حق وصداقت کا چمکتا ہوا آفتاب پائیں گے۔

قرآنِ پاک نے بتایا کہ یوسفؑ کو خود ان کے بھائی شدید اصرار کر کے اور ذمہ داری اٹھا کر ساتھ لے گئے تھے۔ حضرت یعقوبؑ بھائیوں کے ساتھ بھیجنے پر قطعاً راضی نہ تھے، بلکہ آپ نے اپنے دل کی بات (کہ مجھے ڈر ہے کہ کہیں اسے کوئی بھیڑیا وغیرہ نہ کھا جائے یعنی کوئی نقصان نہ پہنچے) اپنے بیٹوں کے سامنے بیان کر دی تھی (تفصیل کے لیے دیکھیں سورۃ یوسف، آیات ۱۰ تا ۱۴) چنانچہ برادرانِ یوسف آپ کو اپنے ساتھ لے گئے اور ایک اندھے یعنی اندھیرے اور گہرے کنوئیں میں ڈال دیا۔ اب آگے آیاتِ قرآنی کا ترجمہ ملاحظہ فرمایئے۔

''اور وہ (سب بھائی) رات کو گریہ وزاری کرتے ہوئے اپنے باپ کے پاس آئے اور کہنے لگے کہ اے ہمارے باپ! ہم تو آپس میں دوڑ لگاتے ہوئے آگے نکل گئے اور یوسف کو اپنے مال ومتاع کے پاس چھوڑ گئے اور (ہماری عدم موجودگی میں) اس کو بھیڑیئے نے کھا لیا اور آپ ہمارے کہنے کا ہرگز یقین نہ کریں گے، اگر چہ ہم بالکل سچے ہی ہوں اور وہ (برادرانِ یوسف) آپ کے کرتہ پر جھوٹا خون لگا لائے (یعقوبؑ نے کرتا دیکھ کر) فرمایا، بلکہ تم نے (جھوٹ بولا اور) اپنے دل سے ایک بات بنائی ہے۔ اب تو صبر ہی کروں گا اور تمہاری ان باتوں پر اللہ تعالیٰ سے مدد مانگتا ہوں۔''

(سورۃ یوسف، آیات ۱۶ تا ۱۸)

اب خود اندازہ فرمایئے کہ حق یہ ہے جو قرآن نے بیان فرمایا ہے یا وہ ہے جو آپ توراۃ کے حوالے سے پڑھ چکے ہیں۔ اس کے بعد اس الزام کی طرف آیئے کہ جو عزیزِ مصر کی بیوی نے حضرت یوسفؑ پر لگایا تھا۔

اختصاراً یہ واقعہ یوں ہے کہ عزیزِ مصر کی بیوی حضرت یوسفؑ کو اپنی طرف ہر ممکن مائل کرتی اور دعوتِ گناہ دیتی تھی، مگر حضرت یوسفؑ اس کی بات نہ مانتے تھے۔ ایک دن جبکہ گھر میں کوئی نہ تھا، تو عزیزِ مصر کی بیوی نے جو کیا، وہ توراۃ میں یُوں ہے

بائیبل ''تب اس عورت نے اس کا پیراہن پکڑ کر کہا کہ میرے ساتھ ہم بستر ہو، وہ اپنا پیراہن چھوڑ کر بھاگا اور باہر نکل گیا۔ جب اس نے دیکھا کہ وہ اپنا پیرہن اس کے ہاتھ میں چھوڑ کر بھاگ گیا۔

☆......تو اس نے اپنے گھر کے آدمیوں کو بلا کر ان سے کہا کہ دیکھو، وہ ایک عبری کو ہم سے مذاق کرنے کے لیے ہمارے پاس لے آیا۔ یہ مجھ سے ہم بستر ہونے کو اندر گھس آیا اور میں بلند آواز سے چلانے لگی۔

☆......جب اس نے دیکھا کہ میں زور زور سے چلا رہی ہوں، تو اپنا پیرہن میرے پاس چھوڑ کر بھاگا اور باہر نکل گیا o اور وہ اس کا پیراہن اس کے آقا کے گھر لوٹنے تک اپنے پاس رکھے رہی o تب اس نے یہ باتیں اس سے کہیں کہ یہ عبرانی غلام جو تو لایا ہے، میرے پاس اندر گھس آیا کہ مجھ سے مذاق کرے o جب میں زور زور سے چلانے لگی، تو وہ اپنا پیراہن میرے ہی پاس چھوڑ کر باہر بھاگ گیا، جب اس کے آقا نے اپنی بیوی کی وہ باتیں جو اس نے اس سے کہیں سن لیں کہ تیرے غلام نے مجھ سے ایسا ایسا کیا، تو اس کا غضب بھڑکا۔

☆......اور یوسف کے آقا نے اس کو لے کر قید خانہ میں جہاں بادشاہ کے قیدی بند تھے، ڈال دیا، سو وہ وہاں قید خانہ میں رہا۔'' (پیدائش ۳۹: ۱۲ تا ۲۰)

بائیبل کے اس بیان سے معلوم ہوا کہ عزیزِ مصر اور اس کے دوسرے اہلِ خانہ (سوائے اس کی بیوی کے) حضرت یوسفؑ کو مجرم خیال کرتے تھے اور نہ تو حضرت یوسفؑ نے اپنے اوپر سے الزام دفع کرنے کی کوشش کی اور نہ ہی کسی دوسرے نے کوئی زیادہ تحقیق کی، لیکن یہی واقعہ قرآن پاک یوں بیان فرماتا ہے۔

قرآنِ مجید: ''اور وہ (یوسفؑ) جس عورت کے گھر میں تھے، وہ ان کو برانگیختہ کرنے لگی تا کہ وہ بے قابو ہو کر اس کی بات مان جائیں اور اس نے (ایک دن) سب دروازے بند کر دیئے اور کہنے لگی: لو آؤ میں تمہیں سے کہتی ہوں (یوسفؑ) نے فرمایا، اللہ کی پناہ (یہ کبھی نہیں ہو سکتا) وہ میرا آقا (یعنی تیرا

شوہر) میری پرورش کرنے والا ہے، اس نے مجھے عزت کے ساتھ رکھا ہے، بیشک ظالموں کا بھلا نہیں ہوتا اور بیشک اس عورت نے اس کا ارادہ کیا اگر وہ (یوسفؑ) اپنے رب کی دلیل نہ دیکھ لیتے، تو وہ بھی ارادہ کرتے۔ ہم نے یوں ہی انہیں (ہشیار رکھا) تا کہ برائی اور بے حیائی کی باتیں ان سے دور رکھیں۔ بے شک وہ ہمارے چنے ہوئے برگزیدہ بندوں میں سے ہیں اور وہ دونوں دروازہ کی طرف دوڑ پڑے۔ اس عورت نے (پکڑنے کی کوشش میں) یوسفؑ کا کرتا پیچھے سے پھاڑ دیا۔ معاً انہوں نے دیکھا کہ عورت کا خاوند دروازے کے پاس (کھڑا) ہے۔ تب اس عورت نے (فوراً) کہا (میرے سرتاج بتایئے) کیا سزا ہے اس کی جو تیری بیوی سے برائی کا ارادہ کرے؟ سوائے اس کے کہ اسے قید میں ڈال دیا جائے یا دردناک عذاب دیا جائے (جواباً) آپ نے فرمایا (یہ غلط ہے بلکہ) اس نے مجھے ورغلانا چاہا تا کہ مجھ سے مطلب براری کرے۔ تو اس عورت کے گھر والوں میں سے ایک گواہ نے گواہی دی (یعنی فیصلہ کیا) کہ اگر یوسفؑ کی قمیض آگے سے پھٹی ہوئی ہے، تو عورت سچی ہے اور وہ جھوٹوں میں سے ہے اور اگر اس کی قمیض پیچھے سے پھٹی ہوئی ہے تو عورت جھوٹی ہے اور وہ سچوں میں سے۔ پس جب عزیزِ مصر نے قمیضِ یوسف کو دیکھا کہ وہ پیچھے سے پھٹی ہوئی ہے تو بول اٹھا کہ یہ سب تم عورتوں کا مکر و فریب ہے۔ بے شک تمہارا مکر و فریب بہت ہی بڑا ہے (اور اے) یوسف (پاکدامن) تم درگذر کرو اے عورت! تو اپنی غلطی کی معافی مانگ، بے شک تو ہی قصورواروں میں سے ہے“۔ (سورۃ یوسف۔ ۲۳ تا ۲۹)

قرآنِ پاک نے ثابت فرمادیا کہ عزیزِ مصر اور دیگر اہلِ خانہ کے سامنے یوسفؑ کی بے مثال پاک دامنی کا اظہار ہو گیا تھا اور عزیزِ مصر نے جرم کی پاداش میں نہیں، بلکہ خفت مٹانے کے لیے آپؑ کو جیل میں بھیجا تھا۔

اور پھر جب فرعونِ مصر نے ایک دہشت ناک خواب دیکھا اور اس کی تعبیر بتانے سے اس کے سب کاہن و دانشور عاجز آ گئے، تو لاچار اس نے یوسفؑ کو جیل خانہ سے باہر لانے کا حکم دیا، تو اس وقت آپ نے جس استغناء اور غیرت کا مظاہرہ فرمایا، تورات میں اس کا اشارہ تک نہیں، بلکہ تورات سے معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت آپ کی حیثیت معاذ اللہ ایک بال بڑھے ہوئے غریب اور بھوکے قیدی کی سی تھی اور وہ اشارہ ملتے ہی جیل سے باہر آ گئے۔ ملاحظہ ہو بائیبل

بائیبل ”تب فرعون نے یوسفؑ کو بلوا بھیجا۔ سو انہوں نے جلد اسے قید خانہ سے باہر نکالا اور اس نے حجامت بنوائی اور کپڑے بدل کر فرعون کے سامنے آیا“ (پیدائش ۴۱: ۱۴)

قرآن مجید: (حضرت یوسفؑ نے قید خانہ میں ہی فرعونِ مصر کے خواب کی تعبیر اور اس کا حکیمانہ حل بھی بیان فرما دیا تھا، جسے سن کر)

ترجمہ ”بادشاہ نے کہا اسے (یوسف کو فوراً) میرے پاس لے آؤ۔ پس جب (فرعون کا) قاصد حضرت یوسفؑ کے پاس (جیل میں) آیا، تو آپ نے فرمایا واپس لوٹ جاؤ، اپنے بادشاہ کے پاس اور اس سے پوچھو کہ ان عورتوں کا معاملہ کیا تھا کہ جنہوں نے اپنے ہاتھ کاٹ لیے تھے۔ بے شک میرا پروردگار ان کی مکاریوں کو خوب جانتا ہے (یعنی پہلے مجھ پر لگے الزام کی تحقیق کرو) بادشاہ نے (ان عورتوں کو بلا کر) پوچھا: تمہیں کیا معاملہ پیش آیا تھا، جب تم نے یوسفؑ کو اپنی مطلب براری کے لیے بہلایا تھا۔ وہ (بیک زبان) بولیں، حاشاللہ! یعنی اللہ کی قسم، ہم نے اس یوسفؑ میں ذرا بھی برائی نہیں پائی۔ (یہ سن کر) عزیزِ مصر کی بیوی بول اٹھی، اب جبکہ اصل بات کھل گئی ہے میں نے ہی ان کا دل لبھانا چاہا تھا، اس میں شک نہیں کہ یوسفؑ بالکل سچے ہیں (تب یوسفؑ نے فرمایا) یہ سب (میں نے) اس لیے کیا تا کہ اس کا خاوند (عزیزِ مصر) جان لے کہ میں نے اس کی عدم موجودگی میں خیانت نہیں کی ہے اور بے شک اللہ تعالیٰ خیانت کرنے والوں (دغابازوں) کے مکر و فریب کو کامیاب نہیں ہونے دیتا (پھر حضرت یوسفؑ نے کمال خشوع و خضوع سے فرمایا) یہ میں کوئی اپنے نفس کی برأت کا (دعویٰ) نہیں کرتا (یعنی اس عصمت کو اپنی ذاتی کوشش قرار نہیں دیتا، کیونکہ) نفس تو برائی کی طرف برانگیختہ کرتا ہی ہے، مگر وہ (تو بچا ہی رہتا ہے) کہ جس پر میرا پروردگار رحم کرتا ہے، بے شک میرا پروردگار بڑا ہی غفور و رحیم ہے۔“ (سورۃ یوسف، آیات ۵۰ تا ۵۳)

سبحان اللہ تعالیٰ! قرآن پاک میں یہ واقعہ پڑھیے، تو ایمان تازہ ہو جاتا ہے اور اس کے ساتھ ساتھ مقامِ نبوت و رسالت کی جن رفعتوں اور عظمتوں کا پتہ چلتا ہے ان کا تورات میں نام و نشان تک نہیں۔ بائیبل نے اس کے بعد والا واقعہ جو بیان کیا، وہ بھی منصبِ رسالت کے شایانِ شان نہیں، اس میں کئی جگہ کمی بیشی کی گئی ہے، مثلاً جب برادرانِ یوسف غلہ لینے کے لیے دربارِ یوسفی میں پہنچے، تو آپ نے انہیں پہچاننے کے باوجود فرمایا:

”تم جاسوس ہو۔“ بھائیوں نے اپنی صفائی پیش کی، تب بھی یہی کہا کہ ”میں تم

سے کہہ چکا ہوں کہ تم جاسوس ہو۔" پھر کہا: "فرعون کی حیات کی قسم تم یہاں سے جانے نہ پاؤ گے۔ جب تک تمہارا سب سے چھوٹا بھائی یہاں نہ آجائے ○ سو اپنے میں سے کسی ایک کو بھیجو کہ وہ تمہارے بھائی کو لے آئے اور تم قید ہو تا کہ تمہاری باتوں کی تصدیق ہو کہ تم سچے ہو یا نہیں، ورنہ فرعون کی حیات کی قسم تم ضرور ہی جاسوس ہو۔" پھر یوسفؑ نے اپنی قسموں کی خود ہی مخالفت کی اور سوائے ایک کے سب بھائیوں کو رہا کر دیا۔ (ملاحظہ ہو پیدائش باب ۴۲ آیات ۸ تا ۲۵)۔

غور فرمائیے کیا یہ باتیں نبی کے شایانِ شان ہیں کہ وہ جھوٹی قسمیں اٹھائے گا؟۔ اور بے گناہ پر جاسوسی کا بدترین الزام قسم اٹھا کر لگائے گا؟۔ اور پھر اللہ کی بجائے بات بات پر فرعون کی زندگی کی قسم کھائے گا؟ پھر آپ بائیبل میں اس پورے واقعہ کو پڑھیئے، آپ کو یہ تاثر ملے گا کہ یوسفؑ نے جو کچھ کیا صرف اور صرف فرعون کی رضا کے لیے کیا۔ آپؑ نے اپنے آپ کو اپنے باپ کو، اپنے بھائیوں کو، سب کو فرعون کا غلام قرار دیا۔ سب لوگوں کو فرعون کے نام پر خرید لیا۔ ان کی زمینیں بھی فرعون کے نام پر خرید لیں، لیکن ان کی زمینیں نہ خریدیں جو فرعون کے پجاری تھے۔ (ملاحظہ ہو پیدائش باب ۴۷) یقیناً یہ سب باتیں منصبِ نبوت کے منافی ہیں اور ان میں تنقیصِ رسالت عیاں ہے۔ بائیبل کے برعکس آپ قرآن پاک میں اس واقعہ کا مطالعہ فرمائیے، آپ کو ہر ہر آیت عصمتِ انبیاء کی محافظ نظر آئے گی۔

والحمد لله علی ذالک

محترم قارئین! ہم نے یہاں صرف دو واقعات کا سرسری سا جائزہ لے کر موازنہ پیش کیا ہے۔ ان میں پہلا واقعہ تو تمام انسانوں کے باپ حضرت آدمؑ کا تھا۔ اور دوسرا واقعہ بنی اسرائیل (یہود و نصاریٰ) کے جدِ امجد حضرت یعقوبؑ اور ان کے بیٹوں کا تھا جن کی اولاد یہ تمام بنی اسرائیل ہیں۔ انہیں واقعات سے آپ اس گلستانِ بائیبل کی بہار کا اندازہ لگا سکتے ہیں۔

اب ہم اپنے اس دعویٰ کی کہ "امام الانبیاء ﷺ ہی فی الحقیقت محافظِ عصمتِ انبیاء ہیں۔" کی مزید تصدیق میں بائیبل کے حوالہ سے انبیاء کرامؑ پر لگائے جانے والے ان قبیح اور گھناؤنے الزامات نقل کریں گے کہ اگر آپ ان کو "مغلظاتِ بائیبل" کا نام بھی دے دیں، تو بالکل درست ہوگا۔ اس سے آپ کو یہ بھی اندازہ ہو گا کہ بعثتِ مصطفیٰ ﷺ سے قبل انبیاء کرامؑ کو ماننے کا دعویٰ کرنے والے یہود و نصاریٰ نے انبیاء کو کس حیثیت سے دنیا والوں کے سامنے پیش کیا تھا۔

نوحؑ اور بائیبل: توراۃ میں ہے "اور نوح کاشتکاری کرنے لگا اور اس نے ایک انگور کا باغ لگایا۔

☆...... اور اس نے اس کی مے پی اور اسے نشہ آیا اور وہ اپنے ڈیرے میں برہنہ ہوگیا۔

☆...... اور کنعان کے باپ حام نے اپنے باپ کو برہنہ دیکھا اور اپنے دونوں بھائیوں کو باہر آکر خبر دی۔

☆...... تب سم اور یافت نے ایک کپڑا لیا اور اسے اپنے کندھوں پر دھرا اور پیچھے کو الٹے چل کر گئے اور اپنے باپ کی برہنگی ڈھانکی۔ سو ان کے منہ الٹی طرف تھے اور انہوں نے اپنے باپ کی برہنگی نہ دیکھی۔

☆...... جب نوح اپنی مے کے نشہ سے ہوش میں آیا تو جو اس کے چھوٹے بیٹے نے اس کے ساتھ کیا تھا، اسے معلوم تھا، اسے معلوم ہوا۔

☆...... اور اس نے کہا کہ کنعان ملعون ہو۔ وہ اپنے بھائیوں کے غلاموں کے غلاموں کا غلام ہوگا۔

☆...... پھر کہا خداوند سم کا خدا مبارک ہو اور کنعان سم کا غلام ہو ○ خدا یافت کو پھیلائے کہ وہ سم کے ڈیروں میں بسے اور کنعان اس کا غلام ہو۔"

(پیدائش ۹: ۲۰ تا ۲۷)

معاذ اللہ ثم معاذ اللہ تعالیٰ کہاں نبوت کا ارفع و اعلیٰ مقام اور کہاں یہ گری ہوئی حرکت۔ اس بات کی تو کسی عام عقلمند آدمی سے بھی توقع نہیں کی جاسکتی کہ وہ شراب خانہ خراب کے نشہ میں دھت ہو کر تمام کپڑے جسم سے اتار پھینکے اور مادرزاد برہنہ ہو کر دمادم مست قلندر کے نعرے لگاتا پھرے اور وہ بھی اپنے ڈیرے میں، جہاں عین ممکن ہے کہ بہو بیٹیاں بھی موجود ہوں۔ چہ جائے کہ ایک برگزیدہ نبی کی طرف ایسی بات نسبت کی جائے اور اس پر طرۃ یہ کہ جس بیچارے نے والد کی اس حالت کو دیکھ کر اپنے بھائیوں کو اطلاع دی کہ کم از کم برہنگی تو ڈھانپ دی جائے، اسے بددعا سے نوازا جائے۔ پھر دیکھئے کہ بددعا بھائیوں کو اطلاع دینے والے حام کو نہیں دی، بلکہ اس کے بیٹے کنعان کو ملعون قرار دے دیا، بتائیے کنعان کا اس واقعہ میں کیا کردار تھا؟ وہی بات کرے کہ کوئی اور بھرے کوئی"۔

......(جاری ہے)

حضرت سیدنا غوث الاعظم کا ایک وعظ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حضرت غوث الاعظم رضی اللہ عنہ نے جمعہ کے دن صبح ۲۹ رجب ۵۴۵ھ کو مدرسہ میں ارشاد فرمایا:۔

اللہ تعالیٰ کی اس طرح توحید کر کہ تیرے دل میں مخلوق ایک ذرہ بھی نہ رہے نہ ایک گھر اور نہ بستے گھر توحید سب کو قتل کر دیتی ہے۔ سب طرح کی دوا اللہ کی توحید میں ہے۔ دنیا کے سانپ سے بھاگ اور اس سے اعراض کر یہاں تک کہ تجھے اس کے پکڑنے کا منتر آجائے اور اس کی داڑھیں اکھیڑ کر زہر نکال ڈالے۔ اللہ تجھے اپنے قریب کر لے اور اس کے پکڑنے کی ترکیب بتا دے اور اسکو تیرے سپرد کر دے اور جو اس میں اذیت باقی رہے اس سے بچے اور وہ تجھے ڈسنے پر قادر نہ ہو سکے اگر تو اللہ سے محبت کرے تو دنیا اور خواہشات لذات اور نفس اور حرص اور شیطانوں کی شرارت سے تیرے لئے کفایت ہے لہذا دنیا سے اپنے نصیب بغیر ضرر اور کدورت کے حاصل کر، نیت سے بغیر مدعی! باوجود شرک کے توحید کا دعوٰی کب تک کریگا۔ تجھے قدرت ہے کہ میرے ساتھ رات کو نکلے اور خطرناک جگہ کی طرف چلے اس حال میں کہ تو ہتھیار بند ہو اور میں بے ہتھیار چلوں۔ پھر دیکھ کہ تو گھبراتا ہے کہ میں گھبراتا ہوں۔ آخرت کے کپڑوں نیچے تو داخل ہے یا میں داخل ہوں تو نے نفاق میں پرورش پائی اور میں ایمان میں پلا ہوں۔

اے قوم! تم دنیا کے پیچھے دوڑتے ہو، تا کہ اور دنیا اولیا اللہ کے پیچھے دوڑتی تا کہ ان کو کچھ دے ان کے سامنے اس حال میں کھڑی ہوتی ہے کہ اس کا سر ہچکولے کھاتا ہے اپنے نفس کو توحید کی تیغ سے مار۔ اور اس کو توفیق کا خود پہنا اور اس کے لئے مجاہدے کا نیزہ اور تقوٰی کی ڈھال اور یقین کی تلوار پکڑ۔ ایک مرتبہ نیزہ چلا اور ایک مرتبہ تلوار مار۔ اسی طرح کرتا رہ۔ یہاں تک کہ نفس تیرے سامنے ذلیل ہو جائے۔ اور تو اس پر سوار ہو کر لگام پکڑے اس کے ساتھ خشکی اور تری کا سفر کرے۔ اب حق تعالیٰ تیرے ساتھ فخر کریگا۔ پھر ان لوگوں کی طرف بڑھ کر جو اپنے نفسوں کے ساتھ ہیں۔ اور ان سے خلاصی نہیں حاصل کر سکے۔ جس نے اپنے نفس کو پہچانا اور مغلوب کر لیا۔ تو نفس اس کے لئے سواری ہے کہ اس کے بوجھ اٹھاتا ہے اور کسی امر میں مخالفت نہیں کرتا ہے۔ تجھے بھلائی حاصل نہ ہوگی۔ یہاں تک کہ اپنے نفس کو پہچانے اور لذت سے روکے اور اس کا ضروری حق ادا کرے اب نفس قلب کی طرف اطمینان کریگا اور قلب باطن کی طرف اور باطن حق تعالیٰ کی طرف اپنے نفسوں سے مجاہدے کا اعصا نہ اٹھاؤ۔ اور ان کی آفتوں اور ان کے سونے سے دھوکے میں نہ پڑو۔ درندوں کو سوتے دیکھ کر دھوکے میں نہ آجاؤ۔ کہ تجھے سوتا دیکھ کر تجھی کو اچک کر شکار کر لیں۔ یہ نفس طمانیت اور ذلت اور تواضع اور نیکی میں موافقت کا اظہار کرتا ہے اور در پردہ اس کے خلاف منصوبہ باندھتا ہے اور اس کے آئندہ کے کاموں سے بچتا رہ۔ اولیاء اللہ کو مخلوق سے علاوہ شغل ہے لیکن وہ مخلوق کی طرف نظر کرنے اور ان کے پاس بیٹھنے کے لئے مکلف ہیں تا کہ ان کو امر اور نہی کریں اولیاء اللہ کی مثال مخلوق کے ساتھ ان لوگوں کے مشابہ ہے کہ جنہوں نے ارادہ کیا کہ دریا عبور کر کے بادشاہ کے پاس جائیں بعض نے دریا کا راستہ معلوم کیا اور عبور کر کے بادشاہ کے پاس جا کر اس سے ملاقات کی اور دیکھ لیا۔ باقی لوگ مارے مارے پھرتے ہیں۔ اور قریب ہیں کہ غرق ہو جائیں۔ پہلے لوگ جس راستے گئے ہیں ان کو وہ راستہ نہ ملا۔ لہذا بادشاہ نے اپنے پاس کے واصلوں کو حکم دیا کہ ان کی طرف جائیں اور جس راستے خود آئے ہیں وہی راستہ ان کو بتائیں یہ لوگ واپس آکر شارع عام پر

ٹھہر گئے اور ان کو پکارا کہ راستہ یہ ہے اس طرح بتاتے رہے یہاں تک کہ بھولے بھٹکے لوگ جب قریب آ گئے تو ان کے ہاتھ پکڑ لئے اس مثال کی اصل اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے۔ وَقَالَ الَّذِیْٓ اٰمَنَ یٰقَوْمِ اتَّبِعُوْنِ اَھْدِكُمْ سَبِیْلَ الرَّشَادِ (اور ایماندار شخص نے کہا اے قوم! میری تابعداری کرو۔ میں تمہیں نجات کے راستے کی ہدایت کرتا ہوں) لہٰذا تم میں سے عقل والا دنیا اور اولاد اور اہل اور مال کھانے اور لباس سواریوں اور بیویوں پر اتراتا نہیں ہے یہ سب حرص ہے۔ ایمانداری کی خوشی ایمان اور یقین کی قوت کے ساتھ اور قرب الٰہی کے دروازے پر قلب کے واصل ہونے سے ہے۔ سمجھ رکھو کے دنیا اور آخرت کے بادشاہ اللہ تعالیٰ کے عارف اور اسی کیلئے عمل کرنے والے ہیں۔ بیٹا! تیرا دل اور باطن کب صاف ہوں گے حالانکہ تو مخلوق کے ساتھ مشرک ہے اور کیسے نجات پائے گا حالانکہ تو ہر ایک رات میں ہر ایک آنے والے سے مدد مانگتا اور اس کی طرف شکایت کر کے بھیک مانگتا ہے۔ تیرا دل کیسے صاف ہو گا۔ حالانکہ اس میں توحید کا ایک ذرہ بھی نہیں ہے توحید نور ہے اور مخلوق کے ساتھ شرک اندھیرا ہے۔ تو نجات کیسے پائے گا حالانکہ تیرا دل تقویٰ سے خالی ہے اس میں ذرہ برابر بھی نہیں۔ تو خالق سے مخلوق کے ساتھ محجوب ہے۔ تیرا صرف دعویٰ ساگ پات کا ہے دعویٰ بلا دلیل پر کچھ نہیں ملتا ہے یہ امر دو وجہ سے صحیح ثابت ہوتا ہے پہلی وجہ مشاہدہ اور نفس کشی مشقتوں اور مصائب کی برداشت ہے یہی طریق مشہور صالحین میں ہے دوسری وجہ اللہ کی طرف سے بخشش بلا مشقت ہے یہ طریق مخلوق میں سے خاص افراد کیلئے قادر ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی کو اپنی معرفت اور محبت ہبہ کر دے اور اس کو کنبے اور اہل سے اٹھا لے اور اس میں اپنی قدرت ظاہر کرے لٹیروں میں پکڑ کر عبادت گاہ میں بٹھا دے اور مخلوق کو اس دل سے نکال دے اور اسکی طرف اپنے کنبے کا دروازہ کھول دے اور اسکو بکواس سے نکالے۔ یہاں تک کہ اس کیلئے تھوڑی چیز کفایت کرے اس فہم اور حکم اور عزت عنایت فرما دے جو کچھ دیکھے اور سنے اس سے نصیحت حاصل کرے اور تمام کام قربت الٰہی کے کرے ہدایت اور عنایت اور کفایت کا حکم کرے مخلوق اس سے ہدایت پائے۔ اس کا حال ایسا ہو جائے جیسا اللہ تعالیٰ نے حضرت یوسف علیہ السلام کے حق میں ارشاد فرمایا ہے۔ كَذٰلِكَ لِنَصْرِفَ عَنْهُ السُّوْٓءَ وَالْفَحْشَآءَ اِنَّهٗ مِنْ عِبَادِنَا الْمُخْلَصِیْنَ (ایسا ہی ہے تا کہ برائی اور بےحیائی کو اس کے نزدیک نہ آنے دیں کیونکہ وہ ہمارے نیک بندوں میں سے ہے) اس سے برائی اور بے حیائی کو دور کرتا ہے اور توفیق اس خدمت کرتی ہے اللہ کا محبّ اور عارف مخلوق کو ہر ایک طریق سے نصیحت کرتا ہے گاہے قول سے اور گاہے فعل سے اور گاہے ہمت (اندرونی قوت) وعظ کرتا ہے ان کے سمجھنے کے طریقے سے وعظ کرتا ہے۔ بیٹا ضعف! ایمان کا وقت خاص اپنے نفس کی حفاظت کر۔ تیرے اہل اور ہمسایہ اور قریبی اور اہل شہر اور اہل ولایت کا سمجھ پر کوئی حق نہیں ہے۔ جب ایمان قوی ہو جائے تو اپنے اہل اولاد اور مخلوق کی طرف توجہ کر۔ ان کی طرف رجوع نہ کر یہاں تک کہ تقویٰ کی زرہ پہنے اور اپنے قلب کے سر پر ایمان کا خود رکھے اور تیرے ہاتھ میں توحید کی تلوار ہو اور تیر اتر کش قبولیت دعا کے تیروں سے پر تو۔ اور توفیق کے گھوڑے پر سوار ہو اور فوجی قواعد اور تیغ زنی اور نیزہ زنی سیکھ لے پھر دشمنان خدا پر حملہ کرے اب ہر چہار طرف اور اوپر اور نیچے سے مدد اور نصرت آئے گی۔ اور مخلوق کو شیطان کے ہاتھوں سے نکال کر حقانی دروازے کی طرف لائیگا۔ ان کو اہل جنت کے عملوں کا امر کریگا۔ اور اہل دوزخ کے عملوں سے بچائیگا۔ ایسا کیوں نہ ہو گا۔ حالانکہ تو نے دوزخ اور بہشت اور ان کے اعمال کو پہچان لیا ہے جو شخص اس مقام پر پہنچا تو اس کے دل کی آنکھ سے حجاب کھل جاتے ہیں چھیوں اطراف کی جانب کیسے توجہ کرے گا۔ اس کی نظر پھاڑ ڈالتی ہے۔ اور اس سے حجاب نہیں رہتا ہے۔ اپنے دل کا سر اٹھا کر عرش اور آسمانوں کو دیکھتا ہے۔ اور گردن جھکا کر زمین کے طبقات اور جنات کے ٹھکانے دیکھتا ہے اس کا سبب اللہ کی معرفت اور ایمان اور حکم کے ساتھ علم ہے۔ جب اس مقام پر پہنچے تو مخلوق کو حقانی دروازے کی طرف بلا۔ اس حال سے پہلے تجھ سے کچھ نہ بن پڑے گا۔ اگر مخلوق کو دعوت کرے اور خود اللہ کے دروازے پر نہیں ہے تو تیری دعوت کا تیرے ہی اوپر وبال ہے حرکت کرے گا تو بیٹھے گا۔ بلندی طلب کرے گا تو پست ہو گا۔ تجھے صالحین کے حالات سے خبر نہیں ہے تو صرف بکنے والا ہے تیری زبان دل کے بغیر ہے تو ظاہر ہے باطن نہیں کثرت ہے خلوت نہیں، گھومتا ہے حملہ نہیں۔ تیری تلوار لکڑی کی اور تیر گند ھک کا ہے نامرد ہے تجھ میں بہادری نہیں ہے معمولی تیر تجھے مار ڈالے گا ایک مچھر ہی تجھ پر قیامت کو لا کھڑا کرے گا۔ اے خدا! ہمارے دین اور ایمان اور بدنوں کو اپنے قرب سے قوی کر۔ وَاٰتِنَا فِی الدُّنْیَا حَسَنَةً وَّفِی الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ (اور ہمیں دنیا میں نیکی اور آخرت میں نیکی عنایت فرما اور عذاب دوزخ سے بچا)

خاور تصوف کے درخشندہ آفتاب

صاحبزادہ سید خورشید احمد گیلانی

☆☆☆

اولیاء وصوفیاء کی پوری جماعت میں سب سے زیادہ محبوبیت اور شہرت جس مرد خدا کے حصے میں آئی ہے وہ سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہٗ ہیں کیا معلوم اور کیا خواص دونوں طبقوں میں آپ کو یکساں اور لازوال عزت حاصل ہے آپ کو زمانے بھر کے علماء اور صلحاء نے جو مختلف القاب دیئے ہیں۔ان میں ایک معروف لقب ''محی الدین'' ہے بلاشبہ اس لقب کی قبائے زیبا آپ کی قامت رعنا پر راست آئی ہے۔شیخ الاسلام عزالدین بن عبدالسلامؒ کا قول ہے۔

''آپ کا وجود اسلام کے لیے ایک باد بہاری تھا جس نے دلوں کے قبرستان میں نئی جان ڈال دی''جس زمانے میں آپ وارد بغداد ہوئے، یہ وہ دور تھا جب بغداد کی فضا پر علم کی خشکی کا لیپ چڑھا ہوا تھا بحث ومناظرہ کا بازار گرم تھا، نئے فرقے وجود میں آرہے تھے،اور نئے نکتے برآمد ہو رہے تھے، ہر شخص کتاب خواں تھا مگر صاحب کتاب سے نسبت کی فکر نہ تھی ،الفاظ وحروف کا ایک ذخیرہ تھا جس میں ہر ایک گم تھا کسی کو سراغ زندگی پانے کا شوق نہ تھا،لغت ہائے حجازی کے قارون بہت تھے مگر گدائے کوئے حجاز کوئی نہ تھا، ہر طرف کتابوں کے انبار لگے تھے لیکن دل کا ورق الٹنے کی کسی کو توفیق نہ تھی۔

مناظرے کی محفلیں طلوع صبح تک رہتیں مگر شب تار زیست محروم سحر تھی، مسند تدریس پر ترش رو معلم فروکش تھے جب کہ ضرورت نہاں خانہ دل میں اتر جانے والے مرد خلیق کی تھی، محراب ومنبر پر شعلہ جان قابض تھے جبکہ اہل بغداد شیریں مقال واعظ کے منتظر تھے۔اسی کشیدہ وکبیدہ ماحول سے بالآخر امام غزالیؒ تنگ آکر جامعہ نظامیہ کو خیر آباد کہتے ہوئے شہر سے نکل کھڑے ہوتے ہیں، یہ ٹھیک وہی سال تھا کہ امام غزالیؒ علم کی کرسی فخر چھوڑتے ہیں اور شیخ جیلانی مسند فقر پر جلوہ افروز ہوتے ہیں، امام غزالیؒ نے جس منصب کو خوشی خوشی چھوڑا لوگ گھل گھل کر اس کی آرزو کرتے ہیں، یہ صرف چونتیس برس کی عمر میں غزالی بغداد کی جامعہ نظامیہ کے سربراہ مقرر ہوتے ہیں، یہ ایک عالم کے لیے سب سے خوبصورت لمحہ اعزاز اور سب سے بڑا نقطہ کمال تھا۔امام کے ایک معاصر عبدالغافر فارسی کے بقول ''ان کی علمی صلاحیت کے سامنے امراء وزراء تو کیا بارگاہ خلافت کی شان وشوکت ماند پڑ گئی تھی''۔قدرت کا اپنا نظام العمل ہوتا ہے کہ امام غزالی ''شہر بغداد کو دولت علم سے تونگر بنا گئے اور شاہ جیلانیؒ فضائے بغداد کو بوئے فقر سے معطر کرنے کے لیے تشریف لے آئے ،آپ بغداد میں پہنچے تو شہر کا رنگ یکسر بدل گیا،''سوزِ دماغ'' کی جگہ ''سوزِ جگر'' نے لے لی۔لوگ دماغ جلانے کے بجائے سراغ پانے میں لگ گئے،علم کی شعبدہ بازی چھوڑ کر طریق شہبازی سیکھنے لگے،علم کی منزل نہیں چراغ راہ سمجھنے لگے، ''مکتب کی کرامت'' کا دھیان کم ہوا اور ''فیضانِ نظر'' کا رجحان بڑھ گیا، دنیا نے امام غزالی کا جاہ وجلال دیکھا تھا اب انہیں سرکار بغداد کا نظارہ جمال کرنا تھا،غزالی نے نظامیہ یونیورسٹی کی پرشکوہ فضا میں خلیفہ وقت کو آنے پر مجبور کیا مگر حضرت شیخ کی گھاس پھونس کی کٹیا تاج وتخت اور لشکر وسپاہ کو مات دے گئی۔آپ کے وجود سے جس قدر اسلام اور اہل اسلام کو عزت اور تقویت ملی۔اس کا مقابلہ ہزاروں لاکھوں انسانی نفوس نہیں کر سکتے۔قدرت نے اپنی نیرنگیوں کا تماشا دکھانے کے لیے آپ کا خاص طور پر انتخاب فرمایا۔اور آپ نے جس طرح قدرت کے ارادوں کو مکمل

کیا قدرت کو بجا طور پر اپنے انتخاب پر ناز رہے گا، سیاسی سطح پر خلافت عباسیہ مرکز گریز رجحانات کے باعث پریشان تھی، آل سلجوق اپنی حکومت الگ سے قائم کر چکے تھے باطنیہ فرقے کی ریشہ دوانیاں اور تشدد آمیز کاروائیاں اپنے عروج پر تھیں۔ ایسے میں روحانی استقلال کا تو مذکور کیا؟ عباسی شہنشاہ اپنے تمام تر ملکی وریاستی وسائل سے جو مرکزیت حاصل نہ کر سکے۔ حضرت محبوب سبحانی کی ذات فقر و فاقہ کے باوجود مرکزی حیثیت کی حامل بن گئی۔ آپ کی حیات مبارکہ میں پانچ عباسی خلفاء گزرے آپ نے اور دنیا نے خلیفہ مستظہر باللہ کو مسند اقتدار پر دیکھا۔ پھر خلیفہ مسترشد باللہ کو سریر آرائے سلطنت ہوتے دیکھا، اس کے بعد خلیفہ راشد باللہ آیا، بعد ازاں خلیفہ مقتفی اومر اللہ آتا ہے اور پھر خلیفہ مستنجد باللہ تخت حکومت پر متمکن ہوا۔ یہ لوگ آئے اور چلے گئے۔ اہل اسلام جس مصیبت میں تھے اسی میں پھنسے رہے۔ کشتی اسلام جس منجدھار میں تھی وہیں ہچکولے کھاتی رہی۔ نہ خلفاء کا ادل بدل کام آیا اور نہ ہی حکومتی وسائل بلاؤں کو ٹال سکے۔ ایک آپکا وجود مسعود تھا۔ جس نے لوگوں کی مایوسی کو خوش امیدی بخشی اور سفینہ اسلام کو ساحل عافیت پر لگا دیا، مسلمان جو سیاسی افراتفری اور ملوکانہ مہم جوئی کا شکار تھے انہیں روحانی مرکزیت نصیب ہوگئی۔

حضرت شیخ کو قدرت نے حلقہ صوفیاء میں جامعیت کے مقام پر فائز کیا تھا، حسب ونسب کے اعتبار سے آپ حسنی سیّد تھے مسند رشد و ہدایت پر بطور مرشد کامل تشریف فرما تھے، قلم وقرطاس کی دنیا میں مانے ہوئے انشاء پرداز تھے آپ کے سحر خطابت کی ایک دنیا اسیر تھی، روحانیت میں نہ کوئی ثانی ہوا ہے اور نہ ہوگا اولیاء کی جماعت کو اگر ستاروں کا ہار تصور کیا جائے تو آپ اس کا چاند تھے، تصوف کو اگر ایک کتاب فرض کیا جائے تو آپ اس کا عنوان جلی تھے۔ روحانیت کو اگر ایک شمع سے تشبیہ دی جائے تو آپ اس کی لو تھے، تجدید واحیائے دین کے کام کو اگر شاداب چمن سے تعبیر کیا جائے تو آپ اس کا گل سرسبد تھے، شکوہ علم اور غیرت فقر کو اگر کوہ طور کا نام دیا جائے تو آپ اس کا جلوہ نور تھے۔ صف اولیاء میں آپ جیسا جامع الصفات فرد عرب وعجم میں نہیں ملے گا، یہی سبب ہے کہ دنیا کبھی آپ کو ''شہنشاہ بغداد'' کے نام سے یاد کرتی ہے کبھی اس کی نوک زبان پر ''شاہ جیلانی'' جیسا لقب آتا ہے دنیا کا ایک بڑا حصہ آپ کو ''محبوب سبحانی'' کہتا ہے خلق خدا ''غوث اعظم'' بھی کہتی ہے۔ لاکھوں لوگ ''شیخ الاسلام'' جیسے پر عظمت خطاب سے یاد کرتے ہیں اور خواص وعوام میں ''پیران پیر'' کے نام سے آپ ہی مشہور ہیں۔

آپ کی ششِ حیات دینی وروحانی خدمات کو دیکھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ حق تعالیٰ نے اپنے کام کے لیے خاص طور پر آپ کو پیدا فرمایا اور وہ تمام خوبیاں دے کر اس کام کے لیے منتخب فرمایا جو دین کی نشر واشاعت مخلوق کی ہدایت، اور بھولے بھٹکوں کی رہنمائی کے لیے ضروری تھیں، تدریس کی مہارت، خطابت میں جاذبیت شخصیت میں کشش اور ملائمت، بات میں تاثر اور بلا کی ذہانت، انداز بیاں میں دلکشی اور حکمت اور فصاحت وبلاغت جیسی خوبیاں منعم حقیقی نے دی تھیں۔

آپ کے ایک ہمعصر شیخ جبائی کہتے ہیں:

''مجھ سے حضرت شیخ نے ایک روز فرمایا کہ میری تمنا ہے کہ زمانہ سابق کی طرح جنگلوں اور صحراؤں میں رہوں نہ مخلوق مجھے دیکھے نہ میں اس کو دیکھوں لیکن اللہ تعالیٰ کو اپنے بندوں کا نفع منظور ہے میرے ہاتھ پر پانچ ہزار سے زائد یہودی اور عیسائی مسلمان ہو چکے ہیں، عیاروں اور جرائم پیشہ لوگوں میں ایک لاکھ سے زائد توبہ کر چکے ہیں اور یہ اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی نعمت ہے''۔ شان تدریس کا یہ عالم تھا کہ آپ دیگر روحانی مشاغل کے ساتھ ساتھ اپنے مدرسہ میں روزانہ تفسیر، حدیث، فقہ اور اختلافات ائمہ کا سبق پڑھاتے، اصول فقہ اور نحو کی کلاس بھی خود لیتے، نماز ظہر کے بعد تجوید کی تعلیم دیتے۔ علاوہ ازیں افتاء کا کام بھی سرانجام دیتے، کوئی آپ کے یہ معمولات دیکھتا تو یقیناً کہہ اٹھتا کہ لفظ وحرف میں محو اور قرطاس و کتاب میں مستغرق یہ شخص دوسرے سے بات کرنا تو کجا خود کلامی کی فرصت بھی نہیں پاتا ہوگا مگر یہ دیکھ کر حیرت ہوتی کہ آپ جونہی منصب تدریس سے اتر کر مسند تلقین پر جلوہ گر ہوتے تو ستر ستر ہزار تک لوگوں کے اجتماع سے اس سکوں اور وقار سے مخاطب ہوتے کہ کسی کو سرگوشی کا ہوش ہوتا اور نہ ہی کھنکارنے اور کھانسنے کی فرصت ہوتی، یوں محسوس ہوتا کہ لوگوں کے سروں پر پرندے بیٹھے ہیں جن کے اڑ جانے کے خوف سے یہ لوگ چپ سادھے ہوئے ہیں آپ کے مواعظ اور ملفوظات کو قلمبند کرنے کے لیے بعض اوقات چار چار سو دواتیں مجلس میں لائی جاتیں۔ عبداللہ یافعی کا کہنا ہے کہ آپکے خطاب کی تاثیر اور سحر انگیزی کا یہ عالم ہوتا کہ لوگ پھڑک کر مر جاتے اور آپ کی مجلس سے کئی بار جنازے اٹھائے گئے۔

آپ کا وعظ پیشہ ورانہ نہیں مجذوبانہ رنگ کا ہوتا تھا جملے منہ سے نکل کر ہوا

میں تحلیل نہیں ہوتے تھے بلکہ تیر بن کر دل میں ترازو ہو جاتے تھے آپ کا خطاب دھواں دار نہیں ہوتا کہ ماحول کو دھندلا بلکہ اس کے شرارے چھپے ہوئے تھے جو دلوں میں موجود حرص وحسد کے خس وخشاک کو جلا کر پھونک ڈالتے ، ہر بات زبان سے ہی نہیں کہتے تھے کچھ کام آنکھوں کی روشنی اور دل کی پاکیزگی سے لیتے ، یحییٰ بن نجاح ادیب کا بیان ہے۔

''ایک دفعہ میں نے ارادہ کیا کہ آج حضرت شیخ کی مجلس میں تائب ہونے والے شخص شمار کروں گا جب وقت مجلس میں حاضر ہوا تو میں نے کپڑوں میں ایک دھاگہ چھپالیا جونہی حضرت شیخ کو توبہ کی تلقین فرما کر اس کے بال کاٹتے میں دھاگے میں ایک گرہ لگا دیتا، تھوڑی دیر بعد آپ نے میری طرف دیکھا اور فرمایا عجیب بات ہے میں گرہیں کھولتا ہوں تم لگاتے جارہے ہو''

آپ نے صرف واعظانہ کام ہی نہیں کیا مجاہدانہ سرگرمیاں بھی آپ کی شخصیت کا حصہ رہیں اگرچہ آپ نے کبھی براہ راست سیاست میں حصہ نہیں لیا، نہ ہی قرب شاہی کی آرزو کی ، بلکہ آپ کبھی کسی حاکم سے ملنے نہیں گئے۔اس کے دسترخواں پر نہیں ہاں البتہ کئی بار خلفاء اور وزراء آپ کے در دولت پر حاضر ہوئے وہ ہاتھ چومتے مگر انہیں جھٹک دیتے اور ان کی روش ستم پر اپنی ملامت کرے، ایک بار خلیفہ مقتفی اومراللہ نے ابوالوفاء یحییٰ بن سعید کو قاضی مقرر کر دیا آپ کو معلوم ہوا تو برسر منبر فرمایا!

''تم نے مسلمانوں پر ایک ایسے شخص کو حکمران بنایا جو اظلم الظالمین ہے کل قیامت کو رب العالمین کو کیا جواب دو گے جو ارحم الراحمین ہے۔اس جلال آمیز خطاب کی بازگشت قصر خلافت میں بھی سنی گئی اور خلیفہ نے فوراً اسی قاضی کو معزول کر دیا۔آپ کے زہد کا یہ عالم تھا کہ آپ کے لیے سونے کی ڈبی میں کوئی کشش اور مٹی کے ڈھیلے میں کوئی نفرت نہ تھی، آپ کو کسی چیز کے پانے کی بے قراری نہ تھی اور نہ ہی چھن جانے کا خوف دل میں سمایا رہتا، بلکہ خالی ہاتھ دل کی خوشی کا راز پا چکے تھے ۔ایک بار دوران مجلس اطلاع ملی کہ آپ کا فلاں تجارتی جہاز ڈوب گیا ہے آپ نے تھوڑی دیر توقف کر کے فرمایا ''الحمدللہ'' کچھ ہی دیر بعد کسی نے آ کر کہا کہ یا حضرت وہ بات غلط تھی، جہاز صحیح سلامت کنارے لگ گیا ہے آپ نے پھر توقف کیا اور کہا ''الحمدللہ'' حاضرین کے دریافت کرنے پر فرمایا کہ پہلی خبر سن کر میں نے دل کو ٹٹولا تو جہاز اور اسباب ڈوبنے کا ذرا بھی ملال نہ ہوا تو میرے منہ سے الحمدللہ نکلا، اور جہاز کے صحیح سالم لنگر انداز ہونے کی خبر ملی تو پھر دل کا جائزہ لیا تو خاص خوشی کی کیفیت محسوس نہ ہوئی بلکہ دونوں حالتوں میں دل کو بدستور اللہ کی طرف مائل اور مشاغل پایا تو الحمدللہ کہا۔

دراصل یہ وہ حکایت لذیز ہے اسے جتنا بھی دراز کیا جائے قند مکرر کا مزہ دیتی ہے آپ کے ملفوظات پڑھنے کا اگر کسی کو موقع میسر آئے تو سچی بات یہ ہے کہ داستان الف لیلہ میں وہ تنوع دلچسپی، حسن بیان اور مٹھاس نہیں جو آپ کی باتوں میں محسوس ہوتی ہے ایک جگہ ارشاد فرماتے ہیں۔

''دنیا کو دل سے نکال کر اپنے ہاتھوں میں رکھ لو پھر تمھیں کوئی تکلیف نہیں دے گی'' ایک اور موقع پر ارشاد فرمایا:

''دنیا ہاتھ میں رکھنی جائز، جیب میں رکھنی جائز، کی اچھی نیت سے جمع کرنا جائز مگر دل میں رکھنا ہرگز جائز نہیں دروازے پر اس کا کھڑا ہونا جائز لیکن دروازے سے آگے گھسانہ جائز ہے اور نہ باعثِ عزت''

مفتوح الغیب میں فرماتے ہیں:

''خلق کی حقیقت یہ ہے کہ جب تو اللہ کے ساتھ معاملہ کرے تو مخلوق درمیان میں حائل نہ رہے اور جب مخلوق خدا سے معاملہ کرے تو نفس کو آڑے نہ آنے دے'' حضرت شیخ جیسے لوگوں کے بارے میں پڑھ کر انسان اپنے اندر عجیب سی کیفیت محسوس کرتا ہے ایک طرف وہ دارا وسکندر کے وارثوں کو دیکھتا ہے تو مرقع عبرت نظر آتے ہیں اور دوسری طرف وہ بوذرؓ مسلمان کے جانشینوں پر نظر ڈالتا ہے تو وہ مینارہ عظمت دکھائی دیتے ہیں، تاج زر ملیا میٹ ہو گئے مگر خرقہ فقر کا ایک پیوند بھی بوسیدہ نہیں ہوا۔

انوکھی وضع ہے سارے زمانے سے نرالے ہیں
یہ عاشق کون سی بستی کے یارب رہنے والے ہیں

نگاہِ ولی میں وہ تاثیر دیکھی
بدلتی ہزاروں کی تقدیر دیکھی

تصرف واختیار کے متعلق حضور غوث الاعظم کا عقیدہ

مفتی جلال الدین امجدی

حضرت علامہ شطنوفی رحمۃ اللہ علیہ محدثانہ اسانید کے ساتھ تحریر فرماتے ہیں کہ ایک عورت حضرت غوث اعظم شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ کی خدمت میں اپنا ایک لڑکا لے کر حاضر ہوئی اور عرض کیا کہ میرے اس بچے کو آپ سے قلبی لگاؤ ہے اس لئے میں اس کے حق میں دست بردار ہو کر اس کو اللہ کی اور پھر آپ کی سپردگی میں دیتی ہوں، حضرت غوث پاک رضی اللہ عنہ نے اس کی عرض قبول فرمائی اور اس بچے کو بزرگوں کے طریقے پر مجاہدات اور ریاضتیں کرنے کا حکم فرمایا، کچھ دنوں بعد اس کی ماں اپنے بچے سے ملنے کیلئے آئی دیکھا کہ اس کا بچہ بہت لاغر اور زرد ہو گیا ہے اور دیکھا کہ جو کی روٹی کا ٹکڑا کھا رہا ہے پھر جب وہ حضرت کی خدمت میں حاضر ہوئی تو دیکھا کہ جس کو آپ کے سامنے برتن میں پوری مرغی کی ہڈیاں رکھی ہوئی ہیں جس کو آپ تناول فرما چکے ہیں، اس نے کہا اے میرے سردار! آپ خود تو مرغی کھاتے ہیں اور میرے بیٹے کو جو کی روٹی کھلاتے ہیں اس وقت حضرت نے ان ہڈیوں پر اپنا مبارک ہاتھ رکھا اور فرمایا!

"قومی باذن اللہ الذی یحیی العظام وھی رمیم"

یعنی اس اللہ کے حکم سے کھڑی ہو جا جو بوسیدہ ہڈیوں کو زندہ فرمائے گا۔ آپ کے اس حکم پر فوراً وہ مرغی زندہ ہو کر کھڑی ہو گئی اور چلائی پھر آپ نے اس عورت سے مخاطب ہو کر فرمایا۔

"اذا صار ابنک ھکذا فلیأ کل مھما شاء"

یعنی جب تیرا بیٹا اس درجہ کو پہنچ جائے گا تو پھر جو جی چاہے کھائے گا۔ (بہجۃ الاسرار ص ۲۵)

اس واقعہ سے حضرت غوث پاک رضی اللہ عنہ نے اپنا عقیدہ ثابت کر دیا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے کھائی ہوئی مرغی کو دوبارہ زندہ کر دینے کا اختیار عطا فرمایا ہے۔

حضرت علامہ شطنوفی رحمۃ اللہ علیہ اور تحریر فرماتے ہیں کہ کئی معتبر راویوں کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ ہم لوگ حضرت غوث پاک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے کہ آپ کی مجلس کے اوپر سے ایک چیل چیختی چلاتی اڑتی ہوئی گزری جس سے مجلس کے لوگوں کو الجھن ہوئی آپ نے فرمایا

"یا ریح خذی راس ھذا الحداۃ"

یعنی اے ہوا اس چیل کا سر کاٹ لے۔ یہ کہتے ہی چیل مردہ ہو کر زمین پر گر پڑی۔ ایک طرف اس کا سر اور دوسری طرف اس کا دھڑ گرا۔ آپ نے کرسی سے اتر کر اس کو ایک ہاتھ سے اٹھا کر دوسرا ہاتھ اس پر پھیرا اور بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھی اور وہ اللہ کے حکم سے زندہ ہو کر اڑ گئی اور سب لوگ دیکھتے رہے۔ (بہجۃ الاسرار ص ۲۵)

اس واقعہ سے معلوم ہوا کہ حضرت غوث پاک رضی اللہ عنہ کا یہ عقیدہ تھا کہ خدائے تعالیٰ نے ان کو ہوا پر حکومت بخشی ہے اسی لئے انھوں نے ہوا کو حکم دے کر چیل کا سر کٹوا دیا۔

حضرت علامہ شطنوفی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اور تحریر فرماتے ہیں کہ ابوالحسن علی بن ابوبکر ابہری نے ہم سے بیان کیا کہ میں نے قاضی القضاۃ ابوصالح نصر سے سنا انھوں نے کہا کہ میں نے اپنے باپ عبدالرزاق سے سنا۔ وہ کہتے تھے میرے والد گرامی یعنی حضرت شیخ محی الدین عبدالقادر جیلانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک دن جمعہ کی نماز کے لیے نکلے میں اور میرے دو بھائی عبدالوہاب اور عیسیٰ آپ کے ساتھ

تھے۔راستہ میں ہم کو شراب کے تین مٹکے ملے جو بادشاہ کے تھے اور جن کی بو بہت تیز تھی۔ان کے ساتھ کوتوال اور کچہری کے کچھ دوسرے لوگ تھے۔حضرت نے ان لوگوں سے فرمایا کہ ٹھہر جاؤ۔وہ نہیں ٹھہرے۔اور جانوروں کو چلاتے میں انھوں نے جلدی کی۔تو حضرت نے جانوروں سے فرمایا قفی ٹھہر جاؤ فوقفت کانھا جمادات تو وہ ٹھہر گئے گویا کہ وہ جمادات ہیں یعنی بے جان چیزیں پتھر اور پہاڑ وغیرہ کی طرح اپنی جگہ پر ٹھہر گئے۔وہ لوگ جانوروں کو بہتیرا مارتے تھے مگر وہ اپنی جگہ سے نہیں ہلتے تھے۔اور ان لوگوں کو قولنج کا درد شروع ہو گیا۔اور سخت درد کی وجہ سے سب کے سب دائیں بائیں زمین پر لوٹنے لگے۔پھر وہ لوگ اللہ کو یاد کرنے لگے اور اعلانیہ توبہ واستغفار کرنے لگے تو ان کا درد جاتا رہا۔اور شراب کی بو سرکہ سے بدل گئی۔انھوں نے برتنوں کو کھولا تو دیکھا وہ سب سرکہ ہو گیا تھا۔(بہجۃ الاسرار ص ۴۱)

حضرت غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس واقعہ سے اپنا یہ عقیدہ اچھی طرح واضح کر دیا کہ چلتے ہوئے جانوروں کو صرف زبان سے حکم دے کر جمادات کی طرح ٹھہرا دینے ،لوگوں کو درد قولنج میں مبتلا کر دینے اور یک نگاہ شراب کو سرکہ بنا دینے کی قدرت اللہ تعالیٰ نے مجھے عطا فرمائی ہے۔

حضرت علامہ شطنوفی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اور تحریر فرماتے ہیں کہ ابو عبد اللہ محمد بن شیخ ابو العباس خضر بن عبد اللہ بن یحییٰ موصلی نے مجھ سے قاہرہ میں بیان کیا کہ ۶۲۳ھ میں مجھ کو میرے باپ نے شہر موصل میں خبر دی کہ ہم ایک رات اپنے شیخ حضرت محی الدین عبد القادر جیلانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مدرسہ بغداد میں تھے کہ آپ کی خدمت میں بادشاہ مستنجد باللہ ابو المظفر یوسف حاضر ہوا۔اس نے آپ سے سلام عرض کیا اور نصیحت طلب کرتے ہوئے آپ کے سامنے دس تھیلیاں رکھ دیں جنھیں دس غلام اٹھا کر لائے تھے۔آپ نے فرمایا کہ مجھے ان کی حاجت نہیں ۔اور قبول کرنے سے انکار کر دیا۔بادشاہ نے بڑی عاجزی کی تو آپ نے ایک تھیلی اپنے ہاتھ میں لی اور دوسری بائیں ہاتھ میں۔اور دونوں کو ہاتھ میں دبایا تو وہ خون ہو کر بہہ گئی۔آپ نے فرمایا اے ابو المظفر کیا تم خدائے تعالیٰ سے نہیں ڈرتے کہ لوگوں کا خون چوستے ہو اور میرے سامنے لاتے ہو۔بادشاہ بیہوش ہو گیا۔آپ نے فرمایا :وعزۃ المعبود لولا حرمۃ اتصالہ برسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم لترکت الدم یجری الیٰ منزلہ،

یعنی معبود کی عزت کی قسم۔اگر رسول اللہ صلی علیہ وسلم سے اس کے رشتہ کا لحاظ نہ ہوتا تو میں خون کو ضرور چھوڑتا کہ وہ اس کے مکان تک بہتا۔

(بہجۃ الاسرار ص ۶۱)

حضرت غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس واقعہ سے اپنا یہ عقیدہ ثابت کر دیا کہ خدائے تعالیٰ نے ہمیں تصرف کی وہ قوت عطا فرمائی ہے کہ میں چاندی اور سونے کے سکے درہم و دینار کو خون بنا کر اس دور تک بہا سکتا ہوں۔

حضرت علامہ شطنوفی رحمۃ اللہ علیہ اور تحریر فرماتے ہیں کہ مجھ سے ابو عبد اللہ محمد بن شیخ ابو العباس خضر بن عبد اللہ بن یحییٰ موصلی نے بیان کیا کہ مجھے میرے باپ نے خبر دی کہ میں نے خلیفہ مستنجد باللہ ابو المظفر یوسف کو حضرت شیخ سیدنا عبد القادر جیلانی رضی اللہ عنہ کی خدمت میں دیکھا۔اس نے عرض کیا کہ میں آپ کی کوئی کرامت دیکھنا چاہتا ہوں تا کہ مجھے تسلی ہو جائے۔آپ نے فرمایا تم کیا چاہتے ہو؟اس نے کہا میں غیب سے سیب چاہتا ہوں۔اور پورے ملک عراق میں وہ زمانہ سیب کا نہیں تھا۔حضرت نے ہوا میں ہاتھ بڑھایا تو دو سیب آپ کے ہاتھ میں آگئے۔تو ایک سیب آپ نے اپنے خلیفہ کو دیا۔حضرت نے اپنے ہاتھ سے سیب کو کاٹا تو نہایت سفید خوشبودار تھا جس سے مشک کی خوشبو آرہی تھی اور خلیفہ مستنجد نے اپنے ہاتھ کا سیب کاٹا تو اس میں کیڑے تھے۔اس نے از راہ تعجب کہا یہ کیا بات ہے کہ آپ کے ہاتھ کا سیب تو میں بہت اچھا اور عمدہ دیکھ رہا ہوں۔آپ نے فرمایا اے ابو المظفر !المستھا یذ الظلم فدودت۔یعنی تمہارے سیب کو ظلم کے ہاتھ لگے تو اس میں کیڑے پڑ گئے(بہجۃ الاسرار ص ۶۱)

حضرت غوث اعظم رضی اللہ عنہ نے اس واقعہ سے اپنا یہ عقیدہ ظاہر فرما دیا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے وہ قدرت عطا فرمائی ہے کہ میں جس موسم میں بھی چاہوں بغیر ظاہری اسباب کے صرف ہاتھ بڑھا کر سیب حاصل کر سکتا ہوں۔حضرت علامہ شطنوفی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اور تحریر فرماتے ہیں کہ ۶۷۱ھ میں ابو محمد رجب بن ابو منصور داری اور ابو زید عبد الرحمن بن سالم قرشی اور ابو عبد اللہ محمد بن عبادہ انصاری نے قاہرہ میں ہم سے بیان کیا کہ ان لوگوں سے برگزیدہ شیخ حضرت

ابوالحسن قرشی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے قاسیون پہاڑ پر ۶۱۸ھ میں بیان کیا کہ میں اور حضرت شیخ ابوالحسن علی بن ہیتی علیہ الرحمۃ والرضوان ۵۴۹ھ میں حضرت شیخ محی الدین عبدالقادر جیلانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں ان کے مدرسہ میں جو کہ ازج کہ دروازہ میں تھا موجود تھے کہ حضرت کے پاس سوداگر ابو غالب فضل اللہ بن اسمٰعیل بغدادی ازجی حاضر ہوا اور عرض کیا

"یا سیدی قال جدک رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم من دعی فلیجب وھا انا قد دعوتک الی منزلی"

ترجمہ: اے حضرت! آپ کے محترم ومکرم نانا رسول ﷺ نے فرمایا ہے کہ جس شخص کی دعوت کی جائے اس کو چاہیے کہ وہ اس کو قبول کرلے اور میں آپ کو اپنے مکان پر دعوت کی زحمت دینے کے لیے حاضر ہوا ہوں) آپ نے فرمایا کہ اچھا اگر مجے اجازت ملی تو میں آؤں گا آپ نے کچھ دیر مراقبہ فرمایا اور فرمایا کہ اچھا میں آؤں گا۔ مقررہ وقت پر آپ سوار ہوئے، شیخ ہیتی نے آپ کی دائیں رکاب پکڑی اور میں نے بائیں رکاب تھامی اس طرح اس شخص کے مکان پر پہنچے وہاں دیکھا تو بغداد کے بہت سے علماء مشائخ اور اعیان موجود تھے۔ آپ کے پہنچنے کے بعد دسترخوان لگایا گیا اور بہت قسم کے کھانے دسترخوان پر رکھے گئے اس کے بعد دو شخص ایک بہت بڑا ٹوکرا اٹھا کر لائے جس کا سر ڈھکا ہوا تھا یہ ٹوکرا دسترخوان کے ایک طرف لاکر رکھ دیا گیا۔ میزبان نے شیخ سے عرض کیا اجازت ہے کھانا شروع کیا جائے۔ شیخ نے کچھ نہیں فرمایا اپنا سر جھکائے رہے۔ نہ خود کھانا شروع کیا اور کھانے کی اجازت بھی مرحمت نہیں فرمائی چنانچہ کسی نے بھی کھانا شروع نہیں کیا اہل مجلس پر آپ کی ہیبت اس طرح طاری تھی گویا ان کے سروں پر پرندے بیٹھے ہیں (یعنی بے حس وحرکت تمام حاضرین مجلس بیٹھے ہوئے تھے) پھر آپ نے مجھے اور شیخ علی ہیتی کو اشارہ کیا کہ اس ٹوکرے کو اٹھا کر یہاں لاؤ چنانچہ وہ ٹوکرا ہم نے اٹھا کر شیخ کے سامنے رکھ دیا تو ٹوکرا بہت وزنی تھا۔ شیخ نے ہم کو حکم دیا کہ ٹوکرے کو کھولو جب ہم نے اس کو کھولا تو اس میں اس امیر کا فرزند تھا جو لنجا، مادرزاد اندھا اور مفلوج تھا، جزامی بھی تھا۔ شیخ نے اس کو دیکھ کر فرمایا قم باذن اللہ (اللہ کے حکم سے تندرست ہو کر کھڑا ہو جا) شیخ کے یہ فرماتے ہی وہ لڑکا تندرست شخص کی طرح کھڑا ہو گیا اور کوئی بیماری اس میں موجود نہ رہی حاضرین مجلس میں ایک جوش پیدا ہوا اور نعرے لگانے لگے۔ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ بغیر کھائے پیے اس ہجوم میں سے اٹھ کر باہر آگئے کچھ عرصہ بعد ہم شیخ ابوسعید قیلوی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ان کو یہ قصہ سنایا انھوں نے فرمایا الشیخ عبدالقادر یبری الاکمہ والابرص ویحی الموتیٰ باذن اللہ (ہاں شیخ عبدالقادر اللہ تعالیٰ کے حکم سے مادرزاد اندھوں اور برص والوں کو اچھا کرتے اور مردوں کو جلاتے ہیں۔ (بہجۃ الاسرار ص ۶۳)

حضرت غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس واقعہ سے اپنا یہ عقیدہ ثابت کر دیا کہ ایک شخص جو لنجا، مادرزاد اندھا، فالج زدہ اور جزامی (کوڑھی) ہو اسے بھی بیک زبان تندرست کرنے کا خدائے تعالیٰ نے مجھے اختیار عطا فرمایا ہے۔ حضرت ابوسعید قیلوی رحمۃ اللہ علیہ (متوفی ۵۵۷ھ) کے تعارف میں حضرت علامہ تادفی قدس سرہ تحریر فرماتے ہیں کہ آپ بڑے صاحب حال وکرامت بزرگ ہوئے ہیں۔ آپ کا شمار ان چار ہستیوں میں ہوتا ہے جن کی دعائیں ہمیشہ قبول ہوئی ہیں۔ اگر کسی مریض کے لیے دعا کرتے تو وہ تندرست ہو جاتا۔ آپ معتبر فقہا ومفتیان شرع میں سے تھے آپ کی صحبت سے اکابر اولیاء وعلماء فیض یاب ہوئے.....ایک مرتبہ آپ نے قیلویہ کی بستی میں ایک چٹان پر کھڑے ہو کر اذان پڑھی تو وہ پھٹ کر پانچ حصوں میں تقسیم ہو گئی اور زمین بھی ہیبت تکبیر سے پھٹ گئی.....اور ایک مرتبہ کسی مرید نے قضائے حاجت کے لیے آپ کے ہاتھ سے لوٹا لیا لیکن وہ اتفاق سے گر کر ٹوٹ گیا اور جب آپ نے اس لوٹے کو ہاتھ لگایا تو وہ صحیح وسالم ہو گیا اور اس میں پہلے کی طرح پانی بھرا ہوا تھا۔ (قلائد الجواہر ص ۱۷۱)

ایسے بلند پایا بزرگ کا عقیدہ بھی تصرف کے بارے میں معلوم ہو گیا کہ وہ حضرت غوث اعظم رضی اللہ عنہ کے متعلق فرماتے ہیں کہ شیخ عبدالقادر اللہ کے حکم سے مادرزاد اندھوں اور برص والوں کو اچھا کرتے اور مردوں کو زندہ کرتے ہیں۔ اور حضرت علامہ عبدالرحمٰن جامی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں کہ ایک روز ابوالمعال نامی درویش حضرت غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مجلس میں حاضر ہوئے۔ مجلس کے دوران ان کو پاخانہ کی حاجت ہوئی جس نے اس قدر شدت اختیار کرلی کہ یہ اپنی جگہ سے جنبش نہیں کر سکتے تھے۔ یہ بالکل بے طاقت ہو گئے۔ انہوں نے شیخ کی

طرف استغاثہ کے طور پر دیکھا۔ حضرت غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ ممبر سے ایک زینہ نیچے اتر آئے اس وقت پہلے زینہ پر آدمی کے سر کی طرح ایک سر ظاہر ہوا، جب دوسری سیڑھی پر حضرت اترے تو اس سر کے دوسرے اعضا کندھا اور سینہ ظاہر ہوئے۔ اس طرح حضرت زینہ بزینہ اترتے تھے اور وہ شکل انسانی مکمل ہوتی جاتی تھی یہاں تک کہ وہ حضرت کی شکل میں متشکل ہوگئی اور آواز بھی بالکل حضرت جیسی اس شکل سے آتی تھی۔ کلام بھی بالکل حضرت کے کلام جیسا تھا۔ اس شکل کو سوائے اس حاجت مند کے کوئی نہیں دیکھ سکتا تھا۔ اس وقت حضرت اس شخص کے قریب آکر کھڑے ہوگئے اور اپنی آستین اس شخص کے سر پر ڈال دی۔۔۔۔۔۔ آستین کا پڑنا تھا کہ ابوالمعال نے اپنے آپ کو ایک لق و دق میدان میں پایا جہاں ایک نہر جاری تھی اور نہر کے کنارے ایک گھنا درخت تھا ابوالمعال نے اپنی کنجیوں کا گچھا اس درخت کی شاخ سے لٹکا دیا اور قضائے حاجت میں مشغول ہوگئے۔ فراغت کے بعد نہر سے وضو کیا اور دو رکعت نفل نماز ادا کی۔ سلام پھیرنے کے بعد حضرت غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ وہ آستین اس کے سر سے اٹھائی تو انہوں نے اپنے آپ کو پھر اسی مجلس میں موجود پایا۔ ابوالمعال کے اعضائے وضو ابھی تک پانی سے تر تھے۔ اور پاخانہ کی حاجت رفع ہو چکی تھی۔ اور حضرت اسی طرح ممبر پر واعظ میں مصروف تھے گویا نیچے تشریف ہی نہیں لائے تھے۔ ابوالعال بھی خاموش بیٹھے رہے اور کسی سے کچھ نہ کہا لیکن جب کنجیوں کا گچھا اپنے پاس موجود نہ پایا تو سخت پریشان ہوا۔

ایک مدت دراز کے بعد ابوالمعال کو سفر کرنے کا اتفاق ہوا بغداد شریف سے چودہ دن کا راستہ تھا۔ اثنائے سفر ایک میدان سے گزرے جہاں نہر تھی۔ ابوالمعال وضو کرنے کے لئے نہر پر گئے تو وہی نہر تھی جہاں قضائے حاجت کے بعد اس روز وضو کیا تھا وہاں انہوں نے اس درخت کو بھی پہچان لیا۔ ان کی کنجیوں کا گچھا اسی طرح اس درخت کی شاخ پر لٹکا ہوا تھا۔ ابوالمعال کہتے ہیں کہ جب میں بغداد واپس آیا تو حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوکر یہ قصہ بیان کیا۔ شیخ نے میرا کان پکڑ کر فرمایا اے ابوالمعال! جب تک میں زندہ ہوں یہ بات کسی سے نہ کہنا (نفحات الانس ص ۶۷۷)

حضرت غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ نے اس واقعہ سے اپنا یہ عقیدہ واضح طور پر ثابت کر دیا کہ خدائے تعالیٰ نے مجھے تصرف کی وہ قدرت عطا فرمائی ہے کہ جنہیں سن کر انسانی عقل حیران ہو جائے۔

اور حضرت علامہ محمد یحییٰ تادنی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ تحریر فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ دریائے دجلہ میں ایسا سیلاب آیا کہ پانی بغداد کی آبادی تک پہنچ گیا اور تمام لوگوں کو اپنے ڈوب جانے کا یقین ہو گیا تو وہ لوگ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور دعا کے لئے درخواست کی۔ آپ اپنا عصائے مبارک لے کر دجلہ پر پہنچ گئے اور عصا کو دریا کی اصل حد پر نصب کر کے فرمایا ''اسی جگہ ٹھر جا'' چنانچہ فوراً پانی گھٹنا شروع ہو گیا اور اپنی اصلی حد پر آ گیا۔

(قلائد الجواہر ص ۹۲)

اس واقعہ سے حضرت غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنا یہ عقیدہ ظاہر کر دیا کہ خدائے تعالیٰ نے پانی پر بھی حکومت عطا فرمائی ہے۔

حضرت علامہ تادنی رحمۃ اللہ علیہ اور تحریر فرماتے ہیں کہ حضرت شیخ ابو صالح عباس بیان فرماتے ہیں۔ ایک مرتبہ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ منصورہ کی جامع مسجد میں تشریف لائے اور وہاں سے اپنے مدرسہ کی طرف واپس ہوئے تو اپنے چہرے پر سے رومال ہٹایا اور ایک بچھو پیشانی پر سے ہاتھ میں پکڑ کر زمین پر پھینک دیا اور جب وہ بھاگنے لگا تو فرمایا کہ ''خدا کے حکم سے مرجا'' چنانچہ یہی وقت وہ مر گیا پھر آپ نے فرمایا اس نے جامع مسجد سے لے کر اس جگہ تک مجھے ساٹھ مرتبہ ڈنگ مارا ہے۔ (قلائد الجواہر ص ۱۱۱)

حضرت علامہ تادنی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ تحریر فرماتے ہیں کہ شیخ معمر جرادہ بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں شیخ عبدالقادر رضی اللہ تعالیٰ کے مکان پر حاضر ہوا تو آپ کچھ تحریر فرما رہے تھے۔ اچانک چھت میں سے تین مرتبہ مٹی گری اور آپ نے اس کو جھاڑ دیا۔ لیکن چوتھی مرتبہ ایسا ہوا تو آپ نے نظر اٹھا کر دیکھا تو وہاں ایک چوہا مٹی گرا رہا تھا۔ آپ نے فرمایا ''تیرا سر اڑ جائے'' یہ کہتے ہی اس کا سر ایک جانب گرا اور جسم دوسری جانب گرا۔ یہ دیکھ کر حضرت شیخ لکھنا چھوڑ کر رونے لگے اور جب میں نے رونے کا سبب پوچھا تو فرمایا ''مجھے خطرہ ہے کہ کہیں میرے دل کو تکلیف پہنچانے کے سبب سے کسی مسلمان کو اسی طرح تکلیف نہ پہنچ جائے جیسی کہ چوہے کو پہنچی ہے۔''

اور شیخ عمر بن مسعود بزاز بیان کرتے ہیں کہ ایک دن حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ مدرسہ میں وضو فرما رہے تھے کہ اچانک ایک چڑیا نے آپ کے کپڑوں پر بیٹ کر دی اور جب آپ نے اوپر نظر اٹھا کر دیکھا تو چڑیا مردہ ہوکر نیچے گر پڑی۔ (قلائد الجواہر ص ۱۲۸)

مذکورہ بالا واقعات اور اپنے کلمات سے حضرت غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ

عنہ نے اپنا یہ عقیدہ واضح طور پر ظاہر کر دیا کہ خدائے تعالیٰ نے مجھے تصرف کی وہ قوت عطا فرمائی ہے کہ جو میری زبان سے نکل جائے گا یا جو میں دل میں چاہوں گا وہی ہو جائے گا۔

حضرت علامہ تادفی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرت شیخ ابوالحسن علی بن ملاعب القواس (جن کی صداقت مشہور زمانہ ہے) فرماتے ہیں کہ میں ایک جماعت کے ہمراہ شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زیارت کے لئے ایک جماعت کے ہمراہ حاضر ہوا۔ اس جماعت نے اپنے حالات کے مطابق دعا کرانے کا ادارہ کیا۔ لیکن ہماری اس بڑی جماعت میں ایک بغیر داڑھی مونچھ کا نوعمر لڑکا بھی شامل تھا۔ جس کے بارے میں ہم سب لوگوں کو معلوم تھا کہ اس کی عادتیں بری ہیں۔ کیونکہ نہ تو وہ پیشاب پاخانہ کر کے استنجا کرتا تھا اور نہ ہی غسل جنابت کرتا تھا۔ چنانچہ ہم لوگوں نے اپنی حاجتیں بیان کرنے کے بعد حضرت شیخ سے دعا کی درخواست کی۔ اور جب میں نے آگے بڑھ کر آپ کے ہاتھ کو بوسہ دیا تو تو پوری جماعت بوسہ دینے کے لئے ٹوٹ پڑی۔ مگر جب وہ نوعمر لڑکا بڑھا تو آپ نے اپنا دست مبارک کھینچ کر آستین میں چھپالیا اور اس لڑکے پر ایسی نظر ڈالی کہ وہ بے ہوش ہوگیا۔ جب اسے ہوش آیا تو اس کی داڑھی اور مونچھیں نکل آئی تھیں۔ اس کے بعد اس نے توبہ کی اور پھر آپ نے اس سے مصافحہ کیا۔ (بہجۃ الاسرار ص ۱۱۸)

حضور سیدنا غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس واقعہ سے اپنا یہ عقیدہ ثابت کر دیا کہ خدائے تعالیٰ نے تصرف پر مجھے ایسی قدرت بخشی ہے کہ میں بیک نگاہ نوعمر لڑکے کو داڑھی مونچھ والا بنا سکتا ہوں۔ اور آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ خود فرماتے ہیں "اور یہی فنا کی حالت ہے جو اولیاء و ابدال کی حالتوں انتہا ہے۔ پھر ان کو تکوین (یعنی کن کہنا) عطا کیا جاتا ہے تو پھر ان کو جس چیز کی حاجت ہوتی ہے وہ سب کچھ باذن اللہ ہو جاتا ہے۔ چنانچہ حق سبحانہ جل وعلا کا ارشاد اس کی بعض کتابوں میں ہے' اے بنی آدم! میں اللہ ہوں میرے سوا کوئی معبود نہیں ہے۔ میں وہ ہوں کہ کسی چیز کو کہتا ہوں ہو جا تو وہ ہو جاتی ہے۔ تو بھی میری اطاعت کر میں تجھے بھی ایسا کر دوں گا کہ تو بھی کسی چیز کو کہے گا کہ ہو جا تو وہ ہو جائے گی۔ (فتوح الغیب مع بہجۃ الاسرار ص ۱۰۹)

اس عبارت میں حضرت غوث اعظم نے تصرف کے بارے میں اپنا عقیدہ خود ہی واضح لفظوں میں بیان فرمادیا کہ خدائے تعالیٰ اپنے مطیع و فرمانبردار بندوں کو مرتبہ تکوین عطا فرمادیتا ہے کہ وہ کسی چیز کو کہتے ہیں کہ ہو جا تو وہ ہو جاتی ہے۔ اور حضور سیدنا غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے قصیدہ غوثیہ میں خود ارشاد فرمایا ہے

وولانی الاقطاب جمعا
فحکمی نافذ فی کل حال

مجھے اللہ نے تمام قطبوں والی پر حاکم بنادیا تو میرا حکم ہر حال میں نافذ ہے

فلو القیت سری فی بحار
لصار الکل غورا فی الزوال

تو اگر میں اپنی محبت کا دریا بھید دریاؤں پر ظاہر کردوں تو ان کا کل پانی زمین کی تہہ میں دھنس جائیں یعنی سب دریا خشک ہو جائیں۔

ولو القیت سری فی جبال
لدکت واختفت بین الرمال

اگر میں اپنی محبت کا راز پہاڑوں پر ظاہر کردوں تو وہ ریزہ ریزہ ہو کر ریت میں چھپ جائیں۔

ولو القیت سری فوق نار
لخمدت وانطفت من سر حالی

اور اگر میں اپنی محبت کی حقیقت آگ پر ظاہر کردوں تو وہ بجھ جائے اور اپنی روشنی سے محروم ہو جائے۔

ولو القیت سری فوق میت
لقام بقدرۃ المولیٰ تعالیٰ

اور اگر میں اپنی محبت کا راز کسی مردہ پر ظاہر کردوں تو وہ اللہ کی قدرت سے زندہ ہو کر کھڑا ہو جائے۔

بلاد اللہ ملکی تحت حکمی
ووقتی قبل قلبی قد صفالی

اللہ تعالیٰ کے شہر میرا ملک اور میرے حکم کے ماتحت ہیں اور میرا وقت میری جان سے پہلے میرے لئے صاف ہو چکا ہے۔

ان اشعار سے بھی حضرت غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ کا عقیدہ کھلم کھلا ظاہر ہے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

گیارھویں شریف

(.....پروفیسر محمد فیاض خاں.....)

قدرت کو ابتدا ہی سے دن دسواں اور رات گیارھویں محبوب و مرغوب رہی ہے۔ چنانچہ رب تعالیٰ نے اپنے نبیوں اور ولیوں کو آزمانے اور پھر اعلیٰ مراتب سے نوازنے کیلئے اکثر یہی تاریخ منتخب فرمائی ہے۔ چنانچہ تاریخ گواہ ہے کہ اسی تاریخ کو آدم علیہ السلام کی توبہ قبول ہوئی حضرت نوح علیہ السلام کی کشتی جودی پہاڑ پر ٹھہری حضرت ابراہیم علیہ السلام کیلئے آتش نمرود گلزار ہوئی۔ حضرت یوسف علیہ السلام نے کنوئیں سے نجات پائی۔ حضرت یعقوب علیہ السلام کی آنکھوں میں روشنی واپس آئی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جادوگروں کو شکست دی، اور دریائے نیل میں فرعون کا لشکر غرق ہوا۔ حضرت یونس علیہ السلام نے مچھلی کے بطن سے نجات پائی، حضرت ایوب علیہ السلام نے اپنے طویل مرض سے شفا پائی۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے رب کے حضور اپنے لخت جگر حضرت اسماعیل علیہ السلام کی قربانی پیش کی اور اللہ تعالیٰ کے محبوب حضرت امام حسین علیہ السلام نے اپنی جان عزیز کے ساتھ اپنے عزیز و اقارب کی جانوں کا نذرانہ اسی تاریخ کو رب تعالیٰ کے حضور پیش کیا۔ (کتاب ما ثبت بالسنۃ از شیخ محدث دہلوی عجائب المخلوقات۔ از علامہ قزوینی رحمۃ اللہ علیہ)

غریب و سادہ و رنگین ہے دستانِ حرم
نہایت اسکی حسین ابتدا ہے اسماعیل

اسی تاریخی اہمیت کے سبب سیدنا شیخ عبد القادر جیلانی رضی اللہ عنہ آقائے دو جہاں محمد مصطفےٰ ﷺ کا ختم شریف ہر ماہ اسی تاریخ کو دلواتے تھے۔ وصال حق کرنے کے بعد یہی گیارہ تاریخ آپ کے عرس مقدس کیلئے بھی مخصوص ہو گئی۔

گیارھویں شریف کی ابتداء:

علامہ امام یافعی قادری علیہ الرحمہ تحریر فرماتے ہیں۔

''گیارھویں کی اصل یہ تھی کہ حضرت غوث صمدانی رضی اللہ عنہ، حضور پرنور ﷺ کے چالیسویں کا ختم شریف ہمیشہ گیارہ ماہ ربیع الآخر کو کیا کرتے تھے۔ وہ نیاز اتنی مقبول و مرغوب ہوئی کہ اس کے بعد آپ ہر ماہ کی گیارہ تاریخ کو حضور پاک ﷺ کا ختم شریف دلانے لگے۔ آخر رفتہ رفتہ یہی نیاز خود غوث پاک کی گیارھویں شریف مشہور ہو گئی۔ آج کل لوگ آپ کا عرس مبارک بھی گیارہ تاریخ کو کرتے ہیں، حالانکہ آپ کی تاریخ وصال سترہ ربیع الآخر ہے''۔ (قرۃ الناظر، خلاصۃ المفاخر ص ۱۱)

گیارھویں شریف کی امتیازی شان:

حضور غوث پاک جس ذوق وشوق سے سرور کائنات ﷺ کا عرس مقدس ہر ماہ کی گیارہ تاریخ کو منعقد فرماتے تھے۔ اللہ پاک نے اسے ایسا قبول عام عطا فرمایا۔ کہ آپ کے وصال کے بعد از خود آپ کی فاتحہ کیلئے بھی ہر ماہ کی گیارہ تاریخ مقبول ہو گئی۔ چنانچہ

''دیگر مشائخ کا عرس تو سال کے آخر میں ہوتا ہے، لیکن غوث الاعظم رضی اللہ عنہ، کی یہ امتیازی شان ہے کہ بزرگان دین نے آپ کا عرس مبارک ہر مہینہ (کی گیارہ تاریخ کو) مقرر فرما دیا ہے۔'' (وجیز القراط ص ۸۳، از حضرت ملا بن حضرت ملاجیون رحمۃ اللہ علیہ۔)

چنانچہ علامہ محقق حضرت شیخ عبد الحق محدث دہلوی علیہ الرحمہ (متوفی ۱۰۵۱ھ) جو اس زمانہ کے علماء میں قرآن وحدیث کی زیادہ سمجھ رکھتے تھے، تحریر فرماتے ہیں۔

''ہم نے اپنے سردار امام وعارف کامل شیخ عبدالوہاب قادری متقی قدس سرہٗ کو حضرت غوث الاعظم رضی اللہ عنہٗ کے یوم عرس (یعنی گیارہویں شریف) کی محافظت وپابندی فرماتے ہوئے دیکھا، علاوہ ازیں ہمارے شہروں میں ہمارے دیگر مشائخ کے نزدیک بھی گیارہویں شریف مشہور ومتعارف ہے۔ (ماثبت من السنۃ ص ۱۲۷)۔

گیارہویں شریف عرب و عجم میں:

سرکار سیدنا غوث پاک کی گیارہویں شریف کی مبارک تقریب صرف پاکستان ہی میں مروج نہیں بلکہ اس کا اہتمام عرصہ دراز سے بزرگان عرب وعجم کرتے آئے ہیں۔ جس کی شہادت ہندوستان میں سب سے علمِ حدیث کی اشاعت کرنے والے محدث شیخ عبدالحق دہلوی رحمۃ اللہ علیہ دیتے ہیں۔

''بے شک ہمارے ملک (ہندوستان) میں آج کل (عرس پاک غوث اعظم یعنی گیارہویں شریف) گیارہویں تاریخ مشہور ہے۔ اور یہی تاریخ آپ کی ہندی ولاد ومشائخ میں متعارف ہے۔

امام عبدالوہاب متقی مکی علیہ الرحمۃ بھی اسی تاریخ کو گیارہویں شریف کا ختم دلایا کرتے تھے، اوران کے کے مشائخ بھی۔ (ماثبت من السنۃ ص ۱۴۴)

اسی طرح شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی علیہ الرحمہ جوکہ ہند و پاک کے حدیث پاک کے استاد ہیں، گیارہویں شریف سرکاری طور پر منائے جانے کا ثبوت اس طرح پیش فرماتے ہیں۔

''حضرت غوث پاک رضی اللہ عنہٗ کے روضہء مبارک پر گیارہویں تاریخ کو بادشاہ اور شہر کے اکابر وغیرہ جمع ہوتے، نماز عصر کے بعد مغرب تک قرآن شریف کی تلاوت کرتے اور سرکار غوث پاک کی شان میں قصائد اور منقبت پڑھتے۔ مغرب کے بعد سجادہ نشین درمیان میں تشریف فرما ہوتے اور ان کے آس پاس مریدین حلقہ بنالیتے اور ذکر جہر شروع ہوتا، اسی حالت میں بعض پر وجدانی کیفیت طاری ہوجاتی، اس کے بعد طعام شرینی جو نیاز تیار ہوتی، تقسیم کی جاتی اور نماز عشاء پڑھ کر لوگ رخصت ہوتے'' (ملفوظات عزیزی ص ۶۲ فارسی)

اسی طرح اورنگ زیب عالمگیر رحمۃ اللہ علیہ کے محترم استاد ملا جیون رحمۃ اللہ علیہ کے صاحبزادے ''وجیز الصراط'' میں علامہ غلام سرور لاہوری خزینۃ الاصفیاء ج ا ص ۹۹ میں، دارالشکوہ ''سفینۃ الاولیاء'' ص ۶۷ میں۔ حضرت شاہ ابو المعائی علیہ الرحمۃ نے ''تحفہ قادریہ'' ص ۹۰ یں آپ کے عرس پاک گیارہویں شریف کے متعلق ثبوت پیش کئے ہیں۔

گیارہویں شریف کا ثبوت:

بزرگان دین کی شہادتوں سے یہ بات ثابت ہوچکی ہے کہ گیارہویں شریف موجودہ دور کی ایجاد نہیں بلکہ اسلاف کا قدیم طریقہ ہے اور صالحین کی پسندیدہ چیز پر عمل کرنے کے متعلق نبی پاک ﷺ کا ارشاد گرامی موجود ہے۔

" مرا ہ المو منون حسنا فھو عند اللہ حسن ''

(موطا امام محمد ص ۱۰۴، کتاب الروح الابن قیم ص ۱۰ تفسیر مواہب الرحمٰن، مرقاۃ شرح مشکوۃ روالمختار ص ۵۱۸ ہمعات فارسی ص ۲۹ بستان العارفین عربی ص ۹ ج ۳)

ترجمہ:۔ جس چیز کو مسلمان اچھا سمجھیں وہ چیز بھی اللہ کے نزدیک اچھی ہے۔

کتب اصول میں ہے:

"المستحب ما ا حبہ العلماء''

یعنی مستحب وہ ہے جسے علماء پسند کریں۔

چنانچہ زمانہ قدیم سے علمائے کرام اور مشائخ عظام گیارہویں شریف کی تقریب کا اہتمام فرماتے رہے ہیں۔

گیارھویں شریف کی تقریب کے لوازمات:

گیارہویں شریف چند اعمال خیر کے مجموعہ کا نام ہے۔ جس کی تفصیل درج ذیل ہے:۔

۱..........قرآن شریف کی تلاوت

۲..........درود وسلام

۳..........مجلس ذکر وفکر کا اہتمام

۴.......... ایصال ثواب باارواح اولیاء کرام۔ بالخصوص پیران پیر دستگیر شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ

۵..........تقسیم شیرینی وطعام

یہ تمام اعمال اللہ پاک کے قرب کا ذریعہ ہیں اور ان سے خیر وبرکت حاصل ہوتی ہے۔ ان میں سے ہر ہر عمل کی فضیلت قرآن پاک اور حدیث شریف سے ثابت

ہے۔چنانچہ:

۱.........کلام پاک پڑھنے والے کو ہر حرف پر دس نیکیوں کا ثواب ملتا ہے

۲.........اسی طرح ایک بار درود شریف پڑھنے والے پر دس نیکیاں نازل ہوتی ہیں

۳.........اور کلمہ طیبہ تو ساتوں آسمانوں اور زمینوں پر بھاری ہے۔جس کے ذکر کی بڑی فضیلت ہے۔ذکر کے سبب اللہ تعالیٰ فرشتوں پر فخر فرماتا ہے۔اور حضور پاک ﷺ ذکر کے حلقے کو جنت کی کیاریاں فرماتے ہیں۔

۴.........ایصال ثواب کی برکات بھی قرآن شریف سے ثابت ہیں۔چنانچہ قرآن وحدیث میں متعدد جگہ زندوں کی دعا اموات کے لئے ،پیغمبروں کی دعائیں اگلی پچھلی امتوں کے لئے ،ملائکہ کی دعائیں اہل زمین کے لئے ،اس قدر مختلف طریقوں سے تلقین کی گئی ہیں کہ جن کے بعد کسی قسم کے شک وشبہ کی گنجائش ہی باقی نہیں رہتی۔

ایصال ثواب

: ایصال ثواب اور فاتحہ خوانی ایک مسنون طریقہ ہے جو خود حضور پاک ﷺ صحابہ کرام ،بزرگان دین اور سلف صالحین سے ثابت ہے۔چنانچہ صحیح بخاری شریف اور مسلم شریف ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ

"ایک شخص نے حضور پاک ﷺ سے عرض کی کہ میری ماں مرگئی اور میرا گمان ہے کہ اگر وہ کچھ بولتی تو صدقہ کرتی تو کیا اگر میں اس کی طرف سے صدقہ کروں تو اسے ثواب پہنچے گا"

اس پر حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا "ہاں"

اس حدیث شریف کے تحت حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ "لمعات" میں تحریر فرماتے ہیں

"یہ حدیث شریف اس بات کا ثبوت ہے کہ میت کو صدقہ کا ثواب پہنچتا ہے اور اہل حق کا یہی مذہب ہے"

اس کے علاوہ ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ اپنے فتاویٰ میں یہ حدیث شریف تفصیلی طور پر نقل فرمائی ہے

"قال کان یوم الثالث.......... ابراھیم"

ترجمہ:۔حضور پاک ﷺ کے صاحبزادے حضرت سیدنا ابراہیم کی وفات کا تیسرا دن تھا کہ ابو ذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ حاضر خدمت ہوئے۔ان کے پاس سوکھے چھوہارے،اونٹنی کا دودھ اور جو کی روٹی تھی ان چیزوں کو حضور ﷺ کے سامنے رکھ دیا تو حضور ﷺ نے ان پر ایک مرتبہ سورہ فاتحہ اور تین مرتبہ سورہ اخلاص پڑھی اور یہ دعا پڑھی "اللھم صل علیٰ محمد انت لھا اھل وھو لھا اھل" پھر اپنے ہاتھ اٹھائے اور چہرہ مبارک پر پھیرے۔اس کے بعد ابوذر (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) سے فرمایا کہ" ان چیزوں کو تقسیم کردو اور ان کا ثواب میرے فرزند ابراہیم کو پہنچے"۔

اس حدیث سے ثابت ہوا کہ کھانے پر ختم پڑھ کر اس کو حاضرین میں تقسیم کرنا جائز بلکہ سنت رسول مقبول ﷺ ہے۔اور اس سے یہ بھی ثابت ہوا کہ ختم کا ثواب ارواح کو پہنچتا ہے۔چنانچہ فاتحہ کا یہی طریقہ آج تک رائج ہے۔اور گیارہویں شریف میں بھی یہی ہوتا ہے کہ کھانا پکا کر اس پر قرآن شریف پڑھ کر اس کا ثواب حضور ﷺ کے وسیلہ سے حضرت غوث الاعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روح پاک کو پہنچایا جاتا ہے۔

اب ہم ایک ایسی ہستی کا فتویٰ نقل کرتے ہیں جو مولوی اشرف علی تھانوی صاحب مولوی رشید احمد گنگوہی صاحب اور مولوی خلیل احمد انبیٹھوی کے پیرو مرشد ہیں۔یعنی حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ آپ تحریر فرماتے ہیں۔

"نفس ایصال ثواب بارواح اموات میں کسی کو کلام نہیں..........سلف کی تو یہ عادت تھی کہ مثلاً کھانا پکا کر مسکین کو کھلا دیا۔اور دل سے ایصال ثواب کی نیت کرلی۔متاخرین میں کسی کو خیال ہوا کہ جیسے نماز میں نیت ہر چند دل سے کافی ہے،اسی طرح اگر یہاں زبان سے کہہ لیا جائے کہ یا اللہ اس کھانے کا ثواب فلاں شخص کو پہنچ جائے تو بہتر ہے پھر کسی کو خیال ہوا کہ لفظ اس کا مشار الیہ اگر رو برو موجود ہو تو زیادہ استحضار قلب ہو۔کھانا رو برو لانے لگے۔کسی کو یہ خیال ہوا کہ ایک دعا ہے اس کے ساتھ اگر کچھ کلام الٰہی بھی پڑھا جائے تو قبولیت دعا کی امید ہے اور اس کلام ثواب بھی پہنچ جائے گا،کہ جمع بین العادتین ہے۔

"چہ خوش بود کہ برآید بیک کرشمہ دوکار"

قرآن شریف کی بعض سورتیں بھی پڑھی جانے لگیں۔کسی نے خیال کیا کہ دعا کیلئے رفع یدین سنت ہے،ہاتھ بھی اٹھانے لگے،کسی نے خیال کیا کہ کھانا جو مسکین کا دیا جائے گا۔اس کے ساتھ پانی دینا بھی مستحسن ہے،پانی پلانا بھی بڑا ثواب ہے اس پانی کو بھی کھانے کے ساتھ رکھ لیا جائے،پس یہ ہیئت کذائیہ حاصل ہوگی.........اسی قسم کی مصلحتیں ہر امر میں ہیں جن کی تفصیل طویل ہے محض بطور نمونہ تھوڑا سا بیان کیا گیا۔ذہین آدمی غور کرکے سمجھ سکتا ہے۔

......گیارہویں شریف غوث پاک کی دسویں،بیسویں،چہلم،ششماہی،سالیانہ وغیرہ

اور توشہ حضرت شیخ عبدالحق اور سرمنی شاہ بوعلی قلندر اور حلوہ شب برات و دیگر طریقہ ایصال ثواب کے اسی قاعدے پر مبنی ہیں۔ (فت مسئلہ ص ۱۰، ۱۱ ملتقطا)

احتیاط: گیارہویں شریف سے روکنے والوں کو جب یہ سب حقائق سمجھائے جاتے ہیں تو وہ کہہ دیتے ہیں کہ جی ہم تو بس احتیاطاً منع کر دیتے ہیں۔ ایسے لوگوں کو شامی کی اس عبادت پر غور کرنا چاہیے۔

"لیس الاحتیاط.................النص القطعی"

ترجمہ: احتیاط اس میں نہیں کہ کسی امر کو جس پر دلیل شرعی نہ ہو حرام ہو یا مکروہ کہہ دیا جائے۔ یہ تو اللہ پاک پر افتراء ہے۔ بلکہ احتیاط اس میں ہے کہ مباح کہا جائے کہ اصل اشیاء میں اباحت ہے خود رسول اللہ ﷺ نے باوجودیکہ آپ شارع تھے شراب جیسی ام الخبائث کو حرام فرمانے میں توقف فرمایا یہاں تک کہ حکم خدا آیا"

"ولا تقولوا..........لا یفلحون"

ترجمہ: اور نہ کہو اسے جو تمہاری زبانیں جھوٹ بیان کرتی ہیں یہ حلال ہے اور یہ حرام ہے کہ اللہ پر جھوٹ باندھو۔ بے شک جو اللہ پر جھوٹ باندھتے ہیں ان کا بھلا نہ ہوگا"

جس طرح آج کل بعض لوگ اپنی طرف سے حلال چیزوں کو حرام بتا دیتے ہیں۔ زمانہ جاہلیت میں بھی اسی طرح بعض لوگ اپنی طرف سے بعض چیزوں کو حرام کو بعض حلال کرلیا کرتے تھے اور اس کی نسبت اللہ پاک کی طرف کر دیا کرتے تھے ان کے اس فعل کی ممانعت میں یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔

اس سے یہ نتیجہ نکلا کہ قرآن و حدیث میں جس چیز کی برائی بھلائی ثابت ہو وہ بری یا بھلی ہے اور جس کی نسبت کچھ ثبوت نہ ہو وہ ہمارے لئے معاف اور جائز و مباح ہے، اس کو بغیر کسی دلیل کے حرام گنا اور بدعت کہنا شریعت مطہرہ پر افتراء اور بہتان عظیم ہے۔ مخالفین گیارہویں شریف کو عبرت کیلئے بس یہی کافی ہے۔

نتیجہ: حاصل یہ کیا گیا کہ گیارہویں شریف ایسا محبوب و مرغوب فعل ہے جسے بے شمار علماء کرام اور صلحائے امت کرتے چلے آئے اور اپنے معتقدین کو بھی اس کی ترغیب دیتے رہے ہیں، اگر یہ عمل خلاف سنت ہوتا تو ہرگز ہرگز یہ حضرات اس عمل میں حصہ نہ لیتے۔

مزید یہ کہ جن جلیل القدر علماء اور عظیم المرتبت صوفیائے نے اس پر عمل کیا ہے۔ ان کے علم و فضل میں کسی کو کلام نہیں، آج کوئی شخص کتنا ہی عالم و فاضل ہو جائے۔ ان کے شاگردوں میں بھی شامل نہیں ہو سکتا تو کیا وہ حضرات قرآن و سنت سے بے بہرہ تھے؟ نہیں، ہرگز نہیں بلکہ ان کے سینے اللہ تعالیٰ کی معرفت اور نور ایمان سے روشن تھے۔ وہ حضرات جید عالم بھی تھے اور پورے پورے عامل بھی۔ چنانچہ گیارہویں شریف جیسے محبوب عمل میں بھی ہمیں انہیں بزرگوں کی پیروی کرنی چاہیے

ایک خواب ایک حقیت:

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے تحریر کیا ہے کہ حضرت مظہر جان جاناں رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ میں نے اخواب میں ایک وسیع چبوترہ دیکھا جس پر بہت سے اولیا اللہ حلقہ بنائے مراقبہ میں مشغول تھے اور ان کے درمیان حضرات خواجہ نقشبند رحمۃ اللہ علیہ دو زانوں بیٹھے تھے اور حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ تکیہ لگائے تشریف فرما تھے۔ آپ کی ذات میں ماسوا اللہ سے بے نیازی اور فنا فی اللہ کی کیفیات جلوہ گر تھیں، پھر یہ سب حضرات اٹھ کھڑے ہوئے اور ایک سمت کو چل دیئے۔ میں نے دریافت کیا کہ یہ کیا ماجرا ہے تو ان میں سے کسی نے بتایا کہ امیر المومنین حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے استقبال کیلئے جا رہے ہیں، چنانچہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ تشریف لائے۔ آپ کے ساتھ ایک گلیم پوش بزرگ، ننگے سر اور ننگے پاؤں تھے۔ جن کے بال الجھے ہوئے تھے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے ان کا ہاتھ نہایت عزت و احترام سے اپنے ہاتھ میں تھام رکھا تھا، میں نے پوچھا یہ کون ہیں تو جواب ملا کہ یہ خیر التابعین حضرت اویس قرنی رضی اللہ عنہ ہیں۔ اس کے بعد ایک حجرہ شریف نظر آیا جو نہایت ہی صاف شفاف تھا اور اس کے اوپر نور کی بارش ہو رہی تھی، یہ سب باکمال بزرگ اس میں داخل ہو گئے میں نے اس کے بارے میں معلوم کیا تو ایک شخص نے بتایا۔ آج حضرت غوث الثقلین رضی اللہ عنہ کا عرس مقدس (گیارہویں شریف) ہے یہ سب حضرات عرس پاک کی تقریب میں شرکت کیلئے تشریف لے گئے ہیں۔ (کلمات طیبات فارسی ص ۷۸، مطبوعہ دہلی)

صلیبی جنگوں کا عظیم مجاہد سلطان نورالدین زنگی

مولانا معراج الاسلام

سلطان نورالدین زنگی رحمۃ اللہ علیہ: آپ اتابک خاندان کے چشم و چراغ تھے ۵۱۱ھ میں پیدا ہوئے ابن خلکان لکھتے ہیں۔

"الاتابک ھو الذی یربی اولاد الملوک" ۸:۲......

"شاہی اتالیق کو اتابک کہتے ہیں" آپ کا خاندان شاہاں سلجوق کا اتابک تھا مگر سلجوقی فرمانرواؤں کا آفتاب اقبال گہنایا تو یہ خاندان خودمختار ہوگیا۔ اور اس کے متعدد حکمرانوں نے بڑے دبدبے اور وقار کے ساتھ حلب و موصل پر حکومت کی۔

اتابک خاندان کے سربراہ آق سنقر تھے جن کے بعد ان کے فرزند زنگی نے منصب حکومت سنبھالا ۵۴۱ھ میں جعبہ کے محاصرے میں وہ شہید ہوئے تو حلب کا علاقہ آپ کے فرزند محمود کے تصرف میں آیا۔

نورالدین محمود بچپن ہی سے خوش ادا، متواضع، پرہیزگار، باوقار، سخی اور عبادت گزار تھے، حکومت کا بوجھ کاندھوں پر پڑا تو اور زیادہ محتاط، حساس اور فرائض کے معاملہ میں چوکس ہوگئے، ابن اثیر لکھتے ہیں: "خلفائے راشدین اور جناب عمر بن عبدالعزیز کے بعد ان سے زیادہ سنت کا پیروکار، فرض شناس، بے نفس، فیاض اور درویش صفت حکمران کوئی نہیں گزرا، ہو بہو خلفاء راشدین کے نقش قدم پر تھے، فقہاء سے فتویٰ لیا کہ بیت المال سے کتنی تنخواہ لینی جائز ہے۔ انہوں نے گزارے کیلئے جتنی رقم بتائی اس سے زیادہ ایک کوڑی نہ لی روٹی کے سوکھے ٹکڑوں کے ساتھ افطار فرمایا کرتے تھے۔ گھر بھر میں آپ کی سیرت سے قائم شدہ فضا کا یہ اثر تھا کہ سب اطاعت و عبادت میں دلچسپی لیتے تھے۔

ایک روز آپ کی اہلیہ نے گریہ وزاری سے برا حال کرلیا، پوچھنے پر بتایا، رات آنکھ نہ کھلنے کی وجہ سے وظائف رہ گئے ہیں، اس لئے افسوس کررہی ہوں آپ نے فوراً ایک طبل خانہ بنوایا اور بھاری تنخواہ پر ایک ملازم رکھا، تاکہ وہ شب زندہ داروں کو رات کے طبل بجا کر جگا دیا کرے۔ حضرت یافعی فرماتے ہیں، جناب نورالدین محمود ان سات سو اولیاء کرام میں سے تھے، جن کا تعلق ابدال اور غوث کے ساتھ ہوتا ہے" اس لحاظ سے آپ شاہی لباس میں بلند روحانی پائے کے مالک تھے۔ اسی کا یہ اثر تھا کہ طبیعت و مزاج میں کوئی نخوت نہ تھی ایک دفعہ کسی شخص نے آپ پر دعویٰ کردیا، آپ بلا تردد قاضی شہرزوری کی عدالت میں پہنچ گئے اور مجرموں کے کٹہرے میں مدعی کے برابر کھڑے ہوگئے بعد میں آپ کے خلاف کوئی الزام ثابت نہ ہوسکا اور آپ کو بری کردیا گیا۔ مگر آپ نے کسی کارروائی کا برا نہ منایا، نہ مدعی کو سخت سست کہا۔

آپ میدان جہاد کے غازی اور اسلام کے نڈر سپاہی تھے خود کو ہر وقت جہاد کیلئے تیار رکھتے، اس مقصد کیلئے روزانہ چوگان کھیلتے تھے۔ اس کھیل میں اتنے ماہر اور شہسواری میں اس قدر طاق تھے کہ گیند کو ضرب لگا کر گھوڑے کو تعاقب میں دوڑا دیتے اور راستے ہی میں گیند کو ہاتھوں میں دبوچ لیتے۔ کسی نے آپ کی عظمت، باوقار شخصیت کی حیثیت کو ملحوظ رکھتے ہوئے اس کھیل پر اعتراض کیا، آپ نے جواب دیا اعمال کا دارومدار نیت پر ہے۔ میں لھو و لعب، لذت نفس اور وقت گزاری کے خیال سے نہیں، بلکہ خود کو جہاد کیلئے ہمہ وقت

تیار رکھنے کی نیت سے کھیلتا ہوں، اور گھوڑوں کو سدھانا بھی مقصود ہوتا ہے۔

اسی حسن نیت کا اثر تھا کہ غیب سے امداد ہوتی تھی، ایک مرتبہ آپ نے ایک امیر انگریز کو قید کر لیا۔ پھر اپنے مصاحبوں سے مشورہ لیا کہ اسے قتل کر دیا جائے، یا فدیہ لے کر چھوڑ دیا جائے۔ آپ کی رائے یہ تھی کہ فدیہ لے کر آزاد کر دیا جائے۔ چنانچہ اسی پر عمل ہوا۔ اس کے بدلے میں زر خطیر آیا جس سے آپ نے غربا کیلئے خیراتی ہسپتال تعمیر کرایا۔ مگر اس واقعہ میں حیرت کا پہلو یہ ہے کہ وہ بادشاہ اپنے ملک میں پہنچتے ہی مر گیا اس طرح مسلمانوں کو یہ ہسپتال مفت میں مل گیا، یہ سب نصرت الٰہی اور سلطان عادل کے حسن نیت کی برکت تھی۔

حق پسند بادشاہوں کی طرح سیاسی مصلحتوں کے نام پر بے راہ روی کے قائل نہیں تھے۔ نہ ہی خود حکومت کا ستون سمجھتے جس کے بغیر کاروبار مملکت چل ہی نہیں سکتا۔ اسی طرح شرعی آداب کا ہمیشہ خیال رکھتے تھے۔ غلط بات سن کر فوراً ٹوک دیتے۔

ایک مرتبہ آپ نے بھری مجلس میں فرمایا! ہم نے ہمیشہ شہادت کی تمنا کی ہے بارہا ایسے مواقع بھی آئے، مگر یہ سعادت نصیب نہیں ہوئی۔ قسمت اچھی ہوئی تو یہ عزت مل ہی جائے گی۔'' قطب الدین نیشا پوری پاس ہی بیٹھے تھے۔ انہوں نے کہا۔

''یا امیر! آپ ایسا نہ کہیں، آپ چلے گئے تو ملک کا نظام درہم برہم ہوجائے گا''۔ سلطان کو یہ جملہ بہت برا لگا۔ برافروختہ ہو کر کہا۔

''میں کون ہوتا ہوں، جس کے سہارے یہ کاروبار چل رہا ہے، سب کچھ مدبر و ناظم مالک کے دست قدرت میں ہے، وہی اپنے دین اور بلاد کا مالک ہے، میں آئندہ تمہاری زبان سے یہ جملہ کبھی نہ سنوں'' اور پھر رو رو کر آپ کی حالت غیر ہوگئی۔

''آپ کے کسی عامل نے لکھا۔ سیاسی مصلحت کی خاطر تعزیر و سزا کی آزادی حاصل ہونی چاہیے، جگہ تو گواہی میسر نہیں آسکتی'' آپ نے جواب دیا، خدا نے اپنی مخلوق کو پیدا کیا ہے، اسلامی شریعت کی شکل میں نظام زندگی دیا ہے، جو اپنی جگہ مکمل اور انسانیت کیلئے کامل رہنما ہے۔ اگر سیاسی مصلحت کے نام پر آزادی کی گنجائش ہوتی تو خدا تعالیٰ اپنے لافانی قانون میں ضرور یہ شق بھی شامل فرما دیتے، مگر شامل نہیں فرمائی، جس کا مطلب یہ ہے کہ شریعت کامل ہے، اب جو اس میں اضافہ کرنا چاہتا ہے، وہ گویا اسے ناقص سمجھتا ہے'' اس لئے آئندہ ایسی احمقانہ تجویز میرے سامنے پیش نہ کرنا۔

جناب نور الدین سیرت کے لحاظ سے اتنے صالح اور درویش ہونے کے باوجود ایک ذی شان اور پر جلال حکمران تھے، اپنے وقت کے بڑے بڑے جرنیل آپ کے سامنے آتے ہوئے کانپتے تھے۔ اسد الدین شیر کوہ آپ کا منظور نظر اور مقرب ترین جرنیل تھا، حکومت کے معاملات میں بھی بہت زیادہ عمل دخل رکھتا تھا، سلطان کو معلوم ہوا کہ شیر کوہ اپنی حیثیت سے ناجائز فائدہ اٹھا کر لوگوں کی املاک غصب کر رہا ہے، آپ نے فوراً ایک دار العدل قائم کرنے کا حکم دیا جس میں ہر خاص و عام کیلئے اذنِ عام کی گنجائش رکھدی، شیرہ کوہ نے قیام عدل کے یہ تمام انتظامات مکمل ہونے سے پہلے ہی لوگوں کی جاگیریں واپس کر دیں اور ہر طرف سے اپنی پوزیشن صاف کر کے بیٹھ گیا۔

جب دار العدل قائم ہو گیا تو سلطان نے عرصہ دراز تک اس میں فیصلے کیے مگر شیر کوہ کے خلاف کوئی مقدمہ نہ آیا جس سے اس کو تعجب ہوا، قاضی صاحب نے بتایا! ''آپ کے خوف سے شیرہ کوہ نے پہلے ہی تمام مغضوبہ جائدادیں لوٹا دی ہیں'' سلطان اظہار تشکر کیلئے سجدے میں گر گئے۔

یہی سلطان جس کے سامنے شیر کوہ جیسے بلا اجازت بیٹھنے کی جرات نہ کرتے تھے وہ اہل علم، اصحاب فقہ و دین کا اتنا شیدا و قدر دان تھا کہ کوئی عالم فاضل تشریف لاتے تو اٹھ کر استقبال کرتا، اور اپنی جگہ پر بٹھاتا۔

ایک دفعہ نیشا پوری نے آپ کے سامنے کسی عالم کی غیبت کی، سلطان نے فرمایا اگر تم سچے ہو اور اس عالم میں واقعی یہ خامی موجود ہے تو بھی اس کو خسارہ نہیں کیونکہ اس کے پاس اتنی نیکیاں ہیں کہ وہ اس خامی کا کفارہ بن سکیں گی مگر تم نے جو غیبت کی ہے، اس کا کفارہ ادا کرنے کیلئے تمہارے پاس نیکیوں کا کوئی انبار نہیں ہے، اس لئے یاد رکھو! آئندہ کسی کی غیبت نہ کرنا، ورنہ سخت سزا دوں گا۔

جب کسی عالم کو نوازنے کا وقت آتا تو سراپا نیاز بن جاتے کہ "اہل علم واصحاب خلوص کی برکت ہی سے خدا تعالیٰ نے ہمیں خزانے عطا فرمائے ہوتے ہیں، ان خزائن میں ان کا حق سب سے زیادہ ہے، اگر یہ اتنی سی چیز سے راضی ہوجائیں تو ان کی بندہ پروری اور مہربانی ہے، ہم ان کی کیا خدمت کرسکتے ہیں" گندمی رنگ کے ساتھ، جنکے نین نقش رکھنے والے سلطان نور الدین نہایت خوش نما جمال، شریں نظر، بلند قامت، علم دوست، مجاہد، عالی حوصلہ، سخی اور متواضع و پر ہیبت تھے، آپ کی ڈاڑھی گھنی نہیں تھی، بلکہ صرف ٹھوڑی تک محدود تھی، پیشانی پر نور جلال تاباں تھا

ان کے ظاہری و باطن اوصاف احاطہ تحریر نہیں آسکتے۔

"وله من المناقب والمائر ما يستغرق الوصف"

سب سے پہلے آپ نے صلیبی جنگوں میں حصہ لیا، اور بیت المقدس پر فتح پائی، انگریزوں نے کہا، سلطان نے حرب وضرب اور آلات وافواج کے ساتھ نہیں، بلکہ دعا وعبادت اور خلوص ونیک نیتی کے ساتھ فتح پائی ہے۔ ۵۶۹ھ میں آپ نے وصال فرمایا۔

"ان الدعاء عند قبره مستجاب ولقد جربت ذالک فصح"

(ابن خلکان ج۲ تعارف ۶۸۶)

آپ کی قبر پر دعا قبول ہوتی ہے۔ میں نے تجربہ کیا تو صحیح پایا۔

سازش کا پس منظر:

اسلام کے کوکب اقبال کا عروج وکمال دیکھ کر گردش دوراں تو سہم ہی گئی تھی۔ یہود ونصاریٰ بھی اپنی اپنی چالاکیوں اور سازشوں کے باوجود اس کی عظمت وترقی کے پھریرے چار دانگ عالم میں لہراتے دیکھ کر بلوں میں دبک گئے تھے، پانچویں صدی ہجری میں جب ان اسلام دشمن اہل مذاہب نے، عباسی خلافت پر زوال وادبار کے سائے لہراتے دیکھے، تو یہ بوتل کے جن کی طرح لہرا کر باہر نکل آئے، اور اپنی بکھری ہوئی طاقت منظم کر کے مسلمانوں سے وہ علاقے واپس لینے کی تگ ودو شروع کر دی، جو مسلمانوں نے دور ترقی میں فتح کر لئے تھے، چنانچہ ۴۹۰ھ میں انہوں نے بیت المقدس پر غلبہ حاصل کرلیا، اور فتح کے نشے میں وہاں کے باشندوں کو جس وحشت وسفاکی کے ساتھ ذبح کیا وہ تاریخ بہیمیت کا ایک خونی اور نہایت لرزہ خیز باب ہے، اس زمانے میں ان مہذب مذہب پرستوں کے قریب سے تہذیب وشائستگی اور انسانیت کان لپیٹ کر نکل گئی۔

چھٹی صدی ہجری میں یہ سیاسی کشمکش انتہائی عروج پر پہنچ گئی، عیسائی حکمرانوں نے صلیب کے نام پر متحد ہونا، اور عوام کو جنگ کیلئے تیار کرنا شروع کر دیا، مقدس جنگ کے نام پر سارے یورپ میں تہلکہ مچ گیا، اور ہر طبقہ کے لوگوں نے جنگ کیلئے اپنے آپ کو پیش کر دیا، جب اسلام کے خلاف یہ سیلاب بلا اٹھ رہا تھا۔ اس وقت مصر میں عبیدی خاندان کی حکومت تھی، جو قوت وشوکت کھو کر زندگی کے آخری سانس لے رہی تھی، اور ۵۶۷ھ میں ختم ہوگئی، اس کے آخری خلیفہ العاضد نے جب محسوس کیا کہ پورے یورپ کا مقابلہ اس کی بساط سے باہر ہے، اور بغداد کی عباسی حکومت بھی اس اٹھاتے ہوئے طوفان کا مقابلہ کرنے سے قاصر ہے، تو اس نے سلطان نور الدین العادل المحمود زنگی" کو لکھا کہ وہ صلیبیوں کے مقابلہ میں صف آرا ہوں۔

سلطان کو اللہ تعالیٰ نے اس دور زوال میں تثلیث پرستوں کے ساتھ ٹکر لینے کی سعادت عطا فرمائی چنانچہ نو لاکھ صلیبیوں کے ساتھ آپ کا تصادم ہوا۔ جس کی آہنی اور عددی قوت کو اللہ کی مدد کے ساتھ سلطان نے پاش پاش کر دیا۔

اہل صلیب کا نشہ ہرن ہوگیا، اور وہ جان گئے ابھی مسلمانوں کے فولادی بازؤوں میں دم خم ہے اور حیدری قوت کے وارث، انکی کمر ہمت توڑ سکتے ہیں سلطان پیش قدمی جاری رکھ کر بیت المقدس واگزار کرنا چاہتے تھے، مگر موت نے مہلت نہ دی۔ سلطان معظم کی اس خواہش کی تکمیل چند سال بعد ۵۸۳ھ میں فاتح اعظم سلطان صلاح الدین ایوبی نے کی اور بیت المقدس پر اسلامی پرچم لہرادیا مگر اس شان سے کہ عام معافی کا اعلان کر دیا۔ اور ایک سو سال پہلے عیسائیوں نے اسی جگہ جس درندگی و بربریت کا مظاہرہ کیا تھا، اس کا کوئی انتقام نہ لیا، یہ اسلامی رواداری انسانیت دوستی، بلندی، اخلاق، تہذیب وشرافت کی ایسی مثال ہے، جس کے سامنے یورپ کا سر شرم وندامت سے ہمیشہ جھکا رہے گا

خبر نامہ .... (پروفیسر محمد اسلم ایم اے)

☆☆☆

۲۶ اپریل ۲۰۰۳ بروز ہفتہ شام ۳۰-۷ بجے نقش لاثانی نگر شکر گڑھ میں امیر مرکزی شیران اسلام جناب شجاعت علی مجاہد کی صدارت میں مجلس عاملہ کا اجلاس ہوا۔ جس میں سیالکوٹ کے ضلعی امیر جناب محمد عارف نقشبندی، ڈسکہ سے جناب حاجی عبدالرزاق، مرکزی رابطہ سیکرٹری جناب حافظ اظہر نعیم، ڈویژنل امیر جناب رانا عطاالحق اور ضلعی امیر نارووال جناب محمد سہیل انجم نے اپنے ضلعی عہدیداروں کے ساتھ شرکت کی

جس میں امیر مرکزی نے ارکان کی تربیت اور رکنیت سازی کے سلسلے میں ہدایات جاری کیں۔

۲۳ مئی ۲۰۰۳ء بروز جمعہ مرکزی امیر شیران اسلام جناب شجاعت علی مجاہد نے شکر گڑھ کا ہنگامی دورہ کیا۔ اور ضلع نارووال شیران اسلام کی کارکردگی کا جائزہ لیا۔ نقش لاثانی نگر شکر گڑھ میں ایک کارنر میٹنگ میں انہوں نے ضلع اور تحصیل شکر گڑھ شیران اسلام کی کارکردگی کو سراہا۔ اور خاص طور پر میلاد شریف کے مہینے میں ۳۰ روزہ محافل میلاد اور ۱۲ ربیع الاول شریف کے انتظامات کی تعریف کی۔ یاد رہے کہ مرکزی امیر کے ساتھ سیالکوٹ کے ضلعی امیر جناب محمد عارف نقشبندی اور مرکزی رابطہ سیکرٹری جناب حافظ اظہر نعیم بھی تھے۔

شیران اسلام پاکستان کے مرکز نقش لاثانی نگر میں بارہ ربیع الاول شریف کو عظیم الشان محفل میلاد منعقد ہوئی۔ جس کی صدارت حضور قبلہ عالم رہبر شریعت پیر طریقت مفکر اسلام حضرت علامہ پروفیسر محمد حسین آسی ناظم اعلیٰ بزم لاثانی پاکستان وسرپرست اعلیٰ شیران اسلام نے فرمائی۔ جس میں ملک بھر سے نامور علماء اور نعت خوان حضرات نے شرکت فرمائی اور مرکزی امیر شیران اسلام مجاہد اسلام شجاعت علی مجاہد نے موجودہ عالمی حالات کے تناظر میں مسلم امہ کو ذمہ داری نبھانے پر زور دیا۔

بارہ ربیع الاول شریف کو میلاد مصطفےٰ ﷺ کے سلسلے میں ایک عظیم الشان جلوس نکالا گیا۔ اہل سنت کی جملہ تنظیمیں مرکزی جامع مسجد نور شکر گڑھ میں جمع ہوئیں۔ جہاں پر دستار بندی کی گئی اور پھر جلوس کا آغاز ہوا جو شہر کی مختلف شاہراہوں سے ہوتا ہوا دربار قطب شاہ ولی پر ختم ہوا۔ جلوس کی صدارت جناب پروفیسر محمد حسین آسی صاحب نے فرمائی جن تنظیموں نے جلوس میں شرکت کی ان میں شیرانِ اسلام، سنی تحریک، جماعت اہل سنت، دعوت اسلامی، بزم لاثانی پاکستان قابل ذکر ہیں۔ یاد رہے کے جلوس کی قیادت جناب مولانا افضل قادری خطیب جامع مسجد نور نے فرمائی۔ اس سے پہلے شیرانِ اسلام کا جلوس نقشِ لاثانی نگر سے صبح 7 بجے مفکرِ اسلام سرپرست اعلیٰ شیرانِ اسلام قبلہ پروفیسر محمد حسین آسی صاحب کی قیادت میں شان وشوکت سے نکلا اور چوہدری گلزار صاحب کی رہائش گاہ حلقہ نور کوٹ روڈ پہنچا جہاں سے یہ جلوس خدا کی حمد وثناء اور حضور ﷺ پر درود وسلام کی گونج میں جامع مسجد نور پہنچا، شیرانِ اسلام کے نوجوانوں نے میلاد چوک میں خوبصورت سٹیج تیار کیا۔ جہاں متعدد علماء حضرات نے خطاب فرمایا، اس موقع پر مرکزی امیر شیرانِ اسلام جناب شجاعت علی مجاہد صاحب نے امت مسلمہ میں اتفاق واتحاد ملت کی ضرورت پر زور دیا۔ اور تمام دوسرے مسالک سے تعلق رکھنے والے جیسے کہ اہل حدیث، دیوبندی اور شیعہ حضرات کو دعوت دی کہ اگر وہ بھی اپنے دلوں کو صاف کرلیں اور حضور پرنور ﷺ کے عشق کی شمع روشن کرلیں تو ہمارے ساتھ شامل ہو سکتے ہیں۔ کیونکہ اس وقت امت مسلمہ کو اتحاد ملت کی اشد ضرورت ہے۔

شیرانِ اسلام پاکستان کے زیر اہتمام تیس روزہ محافل میلاد کا انعقاد کیا گیا۔ جس میں جملہ علماء وخطباء نعت خوانان نے بھرپور حصہ لیا۔ جس میں شیرانِ اسلام پاکستان کے نوجوان قابلِ ذکر ہیں۔ پروگرام کا آغاز مسجد خاتونِ جنت نقشِ لاثانی نگر سے ہوا اور مرحلہ وار مسجد گلزار مدینہ نور کوٹ روڈ۔ رہائش گاہ معصوم لیبارٹری، نقشِ لاثانی پبلک سکول ظفروال روڈ، رہائش گاہ جناب امان اللہ غنیاں کوٹ، جامع مسجد خانووال، سلطان پور، رہائش گاہ اسد محمود، نقشِ لاثانی کمپوزنگ سنٹر، مسجد مہر شاہ ولی مریال،، مسجد بہارِ مدینہ رشید پورہ، جامع مسجد بھگوان پور، مسجد الخلیل شکر گڑھ، جامع مسجد نور شکر گڑھ، جامع مسجد چک نہالہ، جامع مسجد بھگوال، جامع مسجد بوعہ، ہاسٹل نقش لاثانی پبلک سکول، انٹرنیشنل کمپیوٹر کالج شکر گڑھ، رہائش گاہ امانت الیکٹرک سٹور درمان روڈ شکر گڑھ، رہائش گاہ پٹواری الیاس صاحب، جامع مسجد پھلواڑی، جامع مسجد سٹھیالی، مسجد بروٹی، رحمٰن مسجد بجلی گھر، رہائش گاہ عزیز بخش، رہائش گاہ محمد رفیق محافل میلاد کا سلسلہ ابھی جاری وساری ہے۔

بزم لاثانی پاکستان ضلع نارووال کے زیر اہتمام تیس روزہ محافل میلاد کا انعقاد کیا گیا۔ جس میں علماء حضرات اور نعت خوانان شریں بیان نے کثیر تعداد میں شرکت کی

بزم لاثانی پاکستان وشیرانِ اسلام ڈسکہ کے زیر اہتمام جامع مسجد شہیداں سمبڑیال روڈ ڈسکہ میں بارہویں 12 روزہ محافل میلاد مصطفیٰ ﷺ کا انعقاد صاحبزادہ پیر سید ظفر اقبال

صاحب مدظلہ العالی کی سرپرستی میں ہوا جس کی صدارت مفکر اسلام مولانا پروفیسر محمد حسین آسی صاحب نے فرمائی۔ جس میں کثیر تعداد میں علماء حضرات اور نعت خوانان شریں بیان نے حضور ﷺ کا میلاد بیان فرمایا۔

مرکزی بزم نعت سیالکوٹ کی جانب سے جامع مسجد شان مصطفیٰ شہر سیالکوٹ میں 12 روزہ محافل میلاد مصطفیٰ ﷺ کا انعقاد ہوا۔ جسمیں کثیر تعداد میں علماء حضرات نے شرکت فرمائی۔

جامع مسجد حنفیہ نقشبندیہ سیالکوٹ میں محفل میلاد مصطفیٰ ﷺ منعقد ہوئی۔ جس میں عالم باعمل حضرت علامہ مولانا مفتی ابو داؤد محمد صادق صاحب قادری رضوی امیر جماعت رضائے مصطفیٰ گوجرانوالہ نے خطاب فرمایا۔

قرآن خوانی اور محفلِ میلاد پاک کا انعقاد

11 ربیع الاوّل شریف مئی 14 بروز بدھ گورنمنٹ ہائی سکول دودھو چک میں قرآن خوانی اور محفل میلاد پاک منعقد کی گئی۔ رئیس مدرسہ جناب عزیز بخش اور دیگر سٹاف ممبران نے بچوں کے ساتھ بیٹھ کر قرآن خونی کی اور بعد ازاں محفلِ نعت منعقد کی گئی جس کے مہمان خصوصی اور صدرِ محفل جناب مفکر اسلام پیر طریقت رہبر شریعت حضور قبلہ عالم پروفیسر محمد حسین آسی نقشبندی قادری حسینی مدظلہ العالی تھے۔ دیگر مہمان گرامی اور شرکا محفل میں جناب امانت اللہ سینیر ہیڈ ماسٹر ہائی سکول جبال، شیخ ریاض محمود ایس ایس کوٹ نیناں، شیران اسلام کے ڈویژنل امیر جناب رانا عطا الحق صاحب، حضرت علامہ ڈاکٹر محمد یاسین صاحب لاہور، قبلہ مفکر اسلام پروفیسر محمد حسین آسی صاحب کے منظورِ نظر غلام جناب ممنون صاحب اور محمد اسلم نذیر شامل تھے۔

نقیب محفل حافظ محمد سائیں نے صدرِ محفل کی اجازت سے محفلِ پاک کا آغاز تلاوت کلام پاک سے کیا سکول کے طلباء نے حضور پرنور ﷺ کی شان میں اپنے اپنے انداز میں گلہائے عقیدت پیش کئے۔ رئیس مدرسہ جناب عزیز بخش صاحب نے ضرورت مند طلباء کی حوصلہ افزائی کے لئے سکول یونیفارم دینے کا اہتمام کر رکھا تھا۔

صدرِ محفل کی اجازت سے جناب امانت اللہ صاحب، رانا عطا اللہ حق، شیخ ریاض محمود صاحب، ڈاکٹر محمد یاسین صاحب اور محمد اسلم نذیر نے باری باری
ضرورت مند طلباء میں سکول یونیفارم تقسیم کیے۔ آخر میں جناب قبلہ پروفیسر محمد حسین آسی نقشبندی قادری مدظلہ العالی نے طلباء میں انعامات تقسیم کیے اور طلباء کی اس خوشی کے موقع حوصلہ افزائی کرنے پر سکول انتظامیہ کو مبارک باد دی۔ اور دعا کی کہ اللہ تعالیٰ ہمیں حضور اکرم ﷺ کی محفلیں سجانے اور سنتِ محبوب ﷺ پر پورا پورا عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔
تقریب کے اختتام پر طلبہ اور اساتذہ میں مٹھائی تقسیم کی گئی اور 12 ربیع الاوّل کو سکول میں چراغاں کیا گیا۔

مقابلہ حسن نعت

10 ربیع اول شریف 13 مئی بروز منگل گورنمنٹ ہائیر سیکنڈری سکول کوٹ نیناں میں بزم نعت و ادبی کونسل کے زیر اہتمام محسنِ انسانیت، نورِ مجسم حضور سرورِ کونین ﷺ کے گل ہائے عقیدت نچھاور کرنے کیلئے ضلعی سطح پر ثانوی و اعلیٰ ثانوی مدارس کے طلبہ کے مابین مقابلہ حسنِ نعت منعقد ہوا جس کے مہمان خصوصی مفکر اسلام پیر طریقت رہبرِ شریعت پروفیسر محمد حسین آسی نقشبندی قادری مدظلہ العلہ العالی تھے۔ صدارت کے فرائض سنئیر ہیڈ ماسٹر جناب جلیل احمد چوہدری پرنسپل اور بزم نعت کے آرگنائزر محمد اسلم نذیر دیگر سٹاف ممبران نے مہمانانِ گرامی اور دیگر شرکاء محفل کا کمالِ حسن اخلاق سے استقبال کیا اور انھیں خوش آمدید کہا۔ پرگرام کا آغاز تلاوتِ کلام پاک سے ہوا اور مختلف سکولوں سے آئے ہوئے طلبہ نے اپنے اپنے انداز میں حضور نبی کریم ﷺ کی شان میں گلہائے عقیدت پیش کئے۔ حضرت مولانا ڈاکٹر محمد یٰسین نے اپنے مخصوص انداز میں حضور ﷺ کی شان بیان کی جب کہ نقابت کے فرائض محمد اکرم عزیز کے ادا کئے۔ مہمانِ خصوصی قبلہ پروفیسر محمد حسین آسی صاحب مدظلہ العالی نے اپنے دعائیہ کلمات میں اس نورانی، ایمانی اور روحانی محفل پاک کے انعقاد پر جناب افتخار احمد چوہدری پرنسپل اور بزم نعت ادبی کونسل کو مبارک باد دی اور دعا کی کہ اللہ تعالیٰ ہمیں حضور نبی کریم ﷺ کی تعلیمات مقدسہ پر پورا پورا عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔
دعائیہ کلمات سے پہلے صدرِ محفل نے اول، دوم، سوم آنے والے طلبہ میں انعامات تقسیم کئے اور دیگر مقابلہ میں حصہ لینے والے طلبہ کو حوصلہ افزائی کے انعامات سے نوازا گیا۔ آخر میں لنگر شریف سے شرکاء محفل کی تواضع کی گئی۔

منقبت حضرت غوث اعظم رضی اللہ عنہ

عظمتِ غوث کیونکر بیاں ہو
میرے آقا شہہِ اولیاء ہیں

ہر ولی نام لیوا ہے اس کا
شاہِ بغداد کے سب گدا ہیں

موت سے جس کو چاہیں بچائیں
قُم بِاِذْنِی سے مُردے جگائیں

حکم ارض وسما پہ چلائیں
کیوں نہ ہو نائب مصطفٰے ہیں

یہ حقیقت بہت آزمائی
ان کے گھر میں ہے مشکل کشائی

ان کے دادا بھی مشکل کشا ہیں
یہ بھی دنیا کے مشکل کشا ہیں

جس نے کہہ کے اَغِثْنِی پکارا
مل گیا اُس کو فوراً سہارا

دے کے دیکھیں وہ ان کی دُہائی
جو کسی رنج میں مبتلا ہیں

قادری ہو کہ ہو نقشبندی
سہروردی کہ چشتی نظامی

سب کی گردن پہ ان کا قدم ہے
سب کے سب انکے مدحت سرا ہیں

سب پہ ان کے کرم کا ہے سایہ
چرخ جیسے زمین پر چھایا!

کوئی ان کے غلاموں سے پوچھے
غوث گھر گھر میں جلوہ نما ہیں

شاہ جیلاں کا ہے فیض جاری
سب پہ احسان ان کا ہے بھاری

ایک آسیؔ کی کیا پوچھتے ہو؟
جنّ وانسان ان پہ فدا ہیں

پروفیسر محمد حسین آسی

رجسٹرڈ نمبر سی پی ایل 590

ماہنامہ مجلۃ الحقیقۃ

۷۸۶
۹۲

یارب العلمین جل جلالک

یارحمۃ للعلمین علیک الصلوٰۃ والسلام